علم و عشق

خواب و کشف و کرامت

صوفیہ کی نظر میں

پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی

علم و عشق، خواب و کشف و کرامت صوفیہ کی نظر میں

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی
ممتاز پروفیسر
(Distinguished Professor)
جی سی یونی ورسٹی لاہور

Sethi

علم وعشق، خواب وکشف وکرامت

صوفیہ کی نظر میں

مؤلف : پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی

اشاعت : جنوری ۲۰۱۲ء

قیمت : 250/-

پبلشر : سیٹھی بکس 14-B ٹیمپل روڈ لاہور

فہرست مضامین

ابتدائیہ

تصوف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حال ہے قال نہیں، علم سے نہیں عمل سے متعلق ہے، یہ اگر علم ہے بھی تو علم سینہ ہے علم سفینہ نہیں یعنی قلبی واردات سے متعلق ہے، کتابی یا اکتسابی علم نہیں۔ یوں تصوف اور اُس سے متعلق مسائل ومطالب پر کچھ کہنا یا اُن کے بارے میں لکھنا بے فائدہ ہے کہ تصوف کے مطالب روحانی کیفیات سے متعلق ہے اور روحانی کیفیات کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ بھی ہے کہ تصوف میں اخلاق وانسانیت کے دلپذیر اور دلکش مطالب کا ایک عظیم سرمایہ موجود ہے جو ہر مذہب ومسلک کے انسان کے لیے مفید اور اہم ہے اور شاید اسی افادیت اور اہمیت بلکہ ہمہ گیریت کے پیش نظر تصوف کے بارے میں اتنا کچھ لکھا گیا ہے کہ تصوف کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں سے کتب خانے ترتیب دیے جا سکتے ہیں۔

تصوف کے تین رنگ ہیں: ایک وہ رنگ ہے جو تقریباً تمام مذاہب میں مشترک ہے اور جو عبادت وریاضت، ترکِ دنیا، قربتِ حق کی تلاش پر مشتمل ہے، دوسرا رنگ وہ ہے جو خالص اسلامی تصوف ہے جس میں توحید خداوندی، وحدت انسانی یا انسان دوستی، خدمت خلق اور شریعت پر اخلاص سے عمل کرنا بنیادی حیثیت رکھتے ہیں، تیسرا رنگ وہ ہے جو عام طور پر مسلم معاشرے میں رائج ہے جس کے تین پہلو ہیں: عملی، علمی (نظری) اور رسمی:

(۱) ایک تصوف عملی جو زیادہ تر عبادات و اخلاقیات، خدمت خلق اور ھمہ مشربیت یعنی مذہبی تعصبات بلکہ ہر قسم کے تعصبات سے پاک زندگی پر مشتمل ہے۔

(۲) دوسرا تصوف رسمی جس میں پیری مریدی، خرقہ پوشی، خانقاہی زندگی اور سماع وغیرہ کے مراسم شامل ہیں۔

(۳) تیسرا تصوف علمی یا نظری جو وحدت الوجود، وحدت الشہود و تنزلات ستہ، علم و عشق، کشف و کرامت اور خواب و تاویلات وغیرہ کے نظریات و تصورات سے عبارت ہے۔

لفظِ تصوف یا لفظِ صوفی کے اشتقاق کے بارے میں محققین کی مختلف آرا ہیں: سرّاج طوسیؒ نے ''اللمع فی التصوف'' میں، ابوبکر محمد کلاباذیؒ نے ''التعرف'' میں، قشیریؒ نے ''رسالۂ قشیریہ'' میں، علی ہجویریؒ نے ''کشف المحجوب'' میں اور ابن جوزیؒ نے ''تلبیس ابلیس'' میں اس باب میں بحث کی ہے کہ کچھ لوگ صوفی کو صوفی اس لیے کہتے ہیں کہ صوفی صوف یعنی اون کے کپڑے پہنتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ نماز کی صف اول میں ہونے کی وجہ سے اور بعض کا خیال ہے کہ اصحاب صفہ سے نسبت کی وجہ سے صوفی کہا جاتا ہے اور بعض کی رائے میں لفظ صوفی صفا سے مشتق ہے، لفظ صوفی کو صوفہ (صوفۃ القفا یعنی گردن کے پیچھے کے بال) سے اور بنی صوفہ سے بھی مشتق کہا جاتا ہے، بنی صوفہ ایک قبیلہ تھا جو کعبہ کے خدّام تھے۔ بقول قشیریؒ اور ہجویریؒ لغت کے

اعتبار سے ان مذکورہ الفاظ میں سے کسی سے بھی لفظ صوفی کا اشتقاق درست نہیں۔ البتہ ہجویریؒ صفا کو ترجیح دیتے ہیں۔ حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ لفظ صوفی کسی بھی لفظ سے مشتق نہیں ہوسکتا کیونکہ تصوف کا مقام اس تکلف (یعنی اشتقاق) سے بالاتر ہے' اشتقاق کے لیے جنس کی ضرورت ہوتی ہے اور موجودات کی ہر چیز کثیف ہے اور صفا کی ضد ہے' کوئی چیز اپنی ضد سے مشتق نہیں ہوسکتی' صوفیائے کرام کے لیے تصوف کے معانی سورج سے زیادہ روشن ہیں اور کسی عبارت یا اشارت کے محتاج نہیں البتہ صفا مسلمہ طور پر قابل قبول ہے' اسکی ضد کدر (میل) ہے' چونکہ اہل تصوف اپنے اخلاق اور معاملات کو صاف' رکھتے ہیں اور قلبی آفات سے بری ہوتے ہیں' اس لیے صوفی کہلاتے ہیں' اس فرقہ کے لیے یہ لفظ اسم علم کی حیثیت رکھتا ہے۔ اردشیر العبادیؒ فرماتے ہیں کہ ''اصل صوفی از صفوت گرفتہ اند واصل تصوف از صوف گرفتہ اند'' یعنی صوفی کی اصل صفوت ہے اور تصوف کی اصل صوف ہے۔ صفوت کے معنی ہیں کدورت سے پاک ہونا۔ وہ پگھلا ہوا سونا' جس سے کھوٹ علیحدہ کردیا جائے' اسے صافی کہتے ہیں' وہ دل جو خواہشات نفسانی سے پاک ہو اسے بھی صافی کہتے ہیں' اور اس دل کے مالک کو صوفی کہا جاتا ہے' پس پہلے باطن کو صاف کیا جائے اور پھر لباس صوف پہنا جائے جو اہل صفا کا لباس ہے۔ (العبادی، صوفی نامہ، ص ص ۲۵-۲۲۔ عبدالرحمٰن بدوی، تاریخ تصوف اسلامی، ص ۲۹۔ تلبیس ابلیس، ص ۱۳۵)

ابوریحان بیرونی کی نظر میں لفظ صوفی یونانی لفظ سوف (Soph یعنی

حکمت) سے مشتق ہے کہ فیلسوف کا لفظ بھی جو فیلا (Phila)اور سوفیا (Sophia) سے مرکب ہے اور جس کے معنی حکمت دوست کے ہیں اسی سوف (Soph) سے ہے۔ کہتے ہیں لفظ فیلسوف فیثا غورس کی ایجاد ہے۔ وہ یوں کہ یونانی زبان میں دانشور کو سوفوس اور دانش کو سوف کہتے تھے'فیثا غورس نے کہا کہ ہم اتنی دانش وحکمت نہیں رکھتے کہ دانشور (سوفوس یا سوفسٹ) کہلائیں' ہم تو فیلوسوف ہیں یعنی دانش دوست ہیں' (اسی سے لفظ فلسفہ یا فلاسفی ہے)۔ جب اسلام میں ایک ایسا گروہ پیدا ہوا جو وحدتّ حق کے عقیدے میں یونانی مفکرین سے قریب تھا انہیں لوگ سوفیہ یا صوفیہ کے نام سے پکارنے لگے اور چونکہ لوگ اس کی اصل وجہ تسمیہ سے آگاہ نہیں تھے اس لیے لفظ صوفی کو صوف یعنی اون یا پشم سے ماخوذ سمجھنے لگے،ابوریحان البیرونی (وفات ۴۴۰) اپنی کتاب مالھند میں اس عقیدۂ عرفانی کے ذکر کے سلسلہ میں کہ حق واحد اول ہے اور باقی تمام موجودات کا وجود خیالی اور ظلّی ہے کہتے ہیں:

وھذا رای السوفیہ و ھم الحکما فان سوف بالیو نا نیۃ الحکمۃ و بھا سمیّ الفیلسوف پیلا (فیلا)سوپا (سوفا)سوپا ای محب الحکمتہ و لماّ ذھب فی الاسلام قومِ الٰی قریب من را ء یھم سموا باسمھم (یعنی یہ لفظِ صوفی یونانی لفظ سوف (Soph) جس کے معنی حکمت ودانش کے ہیں اور فیلا جس کے معنی دوست اور محبّ کے ہیں، سے بنایا گیا

ہے، سوفی یا صوفی کے معنی ہوئے اُس شخص کے جو حکمت کو دوست رکھتا ہے)

ابوالفتح بستیؒ نے لفظ صوفی کے اشتقاق کے بارے میں کیا خوب کہا ہے:

تَنازَعَ الناسُ فی الصوفیّ و اختَلَفُوا قِدماً و ظنوہ مشتقاً من الصوف
وَلَستُ اَنحَل ھذا الاسم غیرفتی صافیّ فصوفیّ حتی لقبَ الصّوفی

یعنی صوفی کی نسبت لوگوں میں اختلاف ہے، ہم یہ نام اس جوان مرد کے سوا اور کسی کو نہیں دیتے جو "صافی فصوفی" کا مصداق ہے یعنی جس نے صفا اختیار کی اور صاف بنا دیا گیا، یہاں تک کے اس کا لقب صوفی ہو گیا۔ (تحقیق ماللھند، جلد اول، ص ۲۲۔ مصباح الھدایت، ص ٦٦)

لفظ صوفی کے اشتقاق کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ صوفی صوف سے مشتق ہے۔ اگرچہ بعض محققین پشمینہ پوشی کو عیسائیت کی تقلید سمجھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ صوف کا لباس پہنتے تھے، اس لیے صوف کے لباس کو بدعت خیال کرتے ہیں لیکن بیشتر محققین یہی کہتے ہیں کہ صوف پوشی اسلامی شعار ہے، حضرت انس بن مالکؓ سے یہ روایت ہے کہ **کان رسول اللہ یجیب دعوۃ العبد و یر کب الحمار و یلبس الصوف** ـــــ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ستّر بدری صحابہ کو دیکھا ہے جو پشمینہ پوش تھے۔ غرض اسلام میں صوف کا لباس زہد وفقر، قناعت کی علامت رہا ہے، اسی مناسبت سے صوفی کا لفظ اسلام میں مشہور ہو گیا۔ (تعرف، ص ۲۸۵۔ عوارف المعارف، ص ۴۴)

صوفیہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے صوفی آدم صفی اللہ تھے کہ اُن کو اللہ تعالیٰ

نے مٹی سے پیدا کیا' خلافت وامانت سے نوازا' آدمؑ نے مکہ و طائف کے درمیان "چلّہ کشی" کی' کیونکہ مرید بھی آغاز میں چلّہ کشی یا ریاضت کرتا ہے' صوفیہ اس حدیث پاک سے حضرت آدمؑ کی چلّہ کشی کی سند لیتے ہیں "خمر طینة آدم بیدہ اربعین صباحاً" یعنی اللہ میاں نے چالیس روز آدم کی مٹی کو اپنے ہاتھ سے گوندھا اور چلّہ کشی کے سلسلے میں اس حدیث کو بھی پیش کرتے ہیں "من اخلص للہ اربعین یوماً ظھرت ینابیع الحکمة من قلبه علی لسانه یعنی جس نے چالیس دن اللہ کے لیے خلوص کے ساتھ عبادت کی تو اللہ تعالیٰ حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر ظاہر فرما دیتے ہیں ___ آدمؑ نے تنہائی اختیار کی اور چلّہ کشی کی تو حق تعالی نے اُسے روح کی نعمت عطا کی' چراغ عقل اس کے دل میں روشن کیا اور نور حکمت اس کے دل سے اس کی زبان پر نمایاں کیا ___ فرمان حق ہے "اِنَّ اللہَ اصْطَفٰی آدَمَ (سورہ ۳' آیت ۳۳) اس اصطفٰی سے آدمؑ نے تصفیہ پایا' صافی ہوئے' صفی اللہ کا لقب پایا اور صوفی بنے اور اس حوالے سے کہ جو صافی تر ہے وہ صوفی تر ہوگا' حضرت رسول اکرمؐ سب سے صافی تر تھے اس لیے سب سے بڑے صوفی تھے۔ پس تصوف کا آغاز آدمؑ سے ہوا اور تصوف کی تکمیل محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوئی' کہ فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے بعثت لاتمم مکارم الاخلاق ___ اسی طرح کعبہ جو آدمؑ کے زمانے میں وجود میں آیا گویا پہلی خانقاہ تھی۔ (امتداد زمانہ سے کعبہ کی عمارت نہ رہی حضرت ابراہیمؑ نے اسے بنایا اور حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتوں سے پاک کیا)۔ وہ لباس جو آدمؑ

نے ممنوعہ درخت کا پھل کھانے کے بعد ستر پوشی کے لیے درختوں کے پتوں سے بنایا تھا وہ (گویا) پہلا مرقع یا خرقہ تھا۔ (صوفی نامہ، ص ص ۳۰-۲۵)

اسلام میں صوفی کا لقب سب سے پہلے ابوالہاشم صوفیؒ (م ۱۵۰ھ) کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ کتاب اللمع، حلیۃ الاولیا، کتاب التعرف اور نفحات الانس کے مطابق سفیان ثوریؒ (م ۱۶۱ھ) کا قول ہے کہ اگر میں ابوہاشم صوفیؒ سے نہ ملا ہوتا تو میں ریاکاری کی حقیقت نہیں پاسکتا تھا۔ بقول سراجؒ مؤلف کتاب اللمع فی التصوف لفظ صوفی حسن بصریؒ کے زمانے میں رائج تھا کہ حسن بصریؒ (وفات ۱۱۰ھ) کا بیان ہے کہ کعبہ کے طواف کے دوران میں نے ایک صوفی کو دیکھا، اسے میں نے کچھ رقم دینا چاہی، اس نے لینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ میرے پاس چار دانگ ہیں یہی کافی ہیں۔ سب سے قدیم کتاب جس میں لفظ صوفی استعمال ہوا ہے وہ کتاب ''البیان والتبیین'' تالیف جاحظ (م ۲۵۰ یا ۲۵۵ھ) ہے۔ (البیان والتبیین، ص ۱۲۸۔ بدوی تاریخ تصوف اسلامی، ص ۲۸، اللمع، ص ۵۶)

تصوف اسلامی میں شریعت اسلامی کی پابندی لازمی ہے۔ اسی لیے کہتے ہیں کہ تصوف شریعت، طریقت اور حقیقت کا مجموعہ ہے۔ طریقت ایک راہ ہے جو شریعت سے ماخوذ ہے، شارع بڑے راستے کو کہتے ہیں اور طریق چھوٹے راستے یا پگڈنڈی کو کہتے ہیں، شارع کے درمیان میں طریق ہے، بوا طریقت وہ راستہ ہے جو شریعت سے اخذ کیا گیا ہے، جو سفر پانی پر کیا جائے اسے شروع کہتے ہیں اور جو سفر

رات میں کیا جائے اسے طروق کہتے ہیں۔ پانی پر سفر کرنے والے کو شارع اور رات کو سفر کرنے والے کو طارق کہا جاتا ہے' گویا شریعت پانی پر یعنی وسیع سمندر پر سفر ہے جس میں احتیاط کی ضرورت ہے اور یہ احتیاط گویا علم فقہ ہے اور طریقت رات کا سفر ہے جس میں روشنی یا نور کی ضرورت ہے جو نور اخلاص ہے۔ ابوبکر وراق ترمذیؒ کا قول ہے کہ جس نے تصوف کو بغیر فقہ کے اختیار کیا وہ زندیق ہوا اور جس نے بغیر تصوف (خلوص دل) کے فقہ کو اختیار کیا وہ فاسق ہوا' جس نے دونوں کو جمع کیا وہ محقق ہوا۔
(صوفی نامہ، ص ص ۲۰-۱۲۔ کشف المحجوب، ص ۲۲۔ دلائل السلوک، ص ۱۲)

شریعت دین اسلام کے ظاہری احکام ہیں اور شریعت پر اخلاص سے عمل کرنے کا نام طریقت ہے' نماز پڑھنا شریعت ہے نماز خضوع و خشوع سے پڑھنا طریقت ہے' قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز ادا کرنا شریعت ہے اور دل کو حضور حق میں حاضر رکھنا طریقت ہے اور طریقت سے حقیقت حاصل ہوتی ہے جو معرفت حق اور طمانیت قلب ہے اور یہی مقصدِ تصوف ہے، اسی لیے صوفیائے صاف دل نے تصوف کے غیر اسلامی انداز کو رد کیا ہے۔ حضرت ابوبکر واسطیؒ کا قول ہے کہ روم و ہند میں مجاہدہ ہے اور تصوف اسلام میں مشاہدہ ہے (یعنی طریقت کے ساتھ شریعت ہے)' وہ مجاہدہ جس میں مشاہدہ نہیں وہ ایسا ہے کہ کوئی شخص گندے کپڑے کو پیشاب سے دھولے اور یہ خیال کرے کہ کپڑا پاک و صاف ہوگیا' حالانکہ بظاہر دھل گیا لیکن نجاست باقی رہ گئی۔ (تذکرۃ الاولیا، حصہ دوم، ص ۲۲۹)

عزیز الدین نسفیؒ کہتے ہیں کہ سلوک وتصوف کی راہ میں قدم رکھنے والے یعنی سالک کو چاہیے کہ پہلے تحصیل وتکرار کرے اور آخر میں مجاہدہ واذکار کرے یعنی پہلے مدرسے میں جائے اور علم شریعت جو لازمی ہے اسے حاصل کرے' اس کے بعد خانقاہ میں جائے اور کسی شیخ کا مرید ہو جائے۔ بعض صوفیہ کے خیال میں (بقول عزیز الدین نسفیؒ) تصوف کے حصول کے دو طریقے ہیں' ایک تحصیل وتکرار اور یہ لوگ سالکانِ کوئے شریعت ہیں اور ایک مجاہدہ واذکار اور یہ لوگ سالکانِ کوئے طریقت ہیں، شاید اسیؒ لیے تصوف میں کاملینؒ کو دو ناموں سے یاد کرتے ہیں' (۱) ایک قطب ارشاد جو اصحاب شریعت ہوتے ہیں (۲) دوم قطب تکوین جو اصحاب طریقت اور اہل مجاہدہ واذکار ہوتے ہیں۔

علی ہجویریؒ جن کی نظر میں لفظ تصوف صفا سے مشتق ہے فرماتے ہیں کہ اہل تصوف اپنے اخلاق اور معاملات کو صاف رکھتے ہیں اور قلبی آفات سے بری ہوتے ہیں اس لیے صوفی کہلاتے ہیں۔ صفا کی دو صورتیں ہیں: ایک اس کی اصل ہے اور ایک فرع' اصل یہ ہے کہ دل غیر اللہ سے خالی ہو اور فرع یہ ہے کہ دل دنیا سے منقطع ہو۔ یہ دونوں صفات حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صفتیں ہیں کیونکہ وہ اہل طریقت کے امام ہیں۔ ان کا دل غیر اللہ سے اس قدر خالی تھا کہ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال پر تمام صحابۂ کرام شکستہ دل تھے' حضرت عمرؓ نے شمشیر میان سے نکال لی اور اعلان کیا کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ کہے گا کہ وہ وصال پا گئے ہیں میں اس کا سر قلم

کر دوں گا۔ حضرت صدیق اکبرؓ تشریف لائے اور باآواز بلند کہا الا من عبد محمد فان محمد صلی اللہ علیہ وسلم قدمات ومن عبد رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فانه حی لایموت یاد رکھو جس نے حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بندگی کی تو وہ تو رحلت فرما گئے اور جس نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی بندگی کی تو وہ زندہ ہے اور اس کو موت نہیں اور پھر یہ آیت پڑھی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُل (الی آخرہ). (سورہ ۳ آیت ۱۴۴) یہ حقیقت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول گزرے ہیں اگر یہ رسول (محمدؐ) رحلت فرما جائیں یا قتل کر دیئے جائیں تو کیا تم الٹے قدم لوٹ جاؤ گے یعنی اپنے آبائی دین کی طرف پلٹ جاؤ گے ___ حضرت صدیق اکبرؓ کا دنیا کے اسباب سے انقطاع یہ تھا کہ [illegible] نے اپنا تمام مال راہ خدا میں دے دیا اور خود ایک کمبل اوڑھ کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آ گئے۔ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ما خلفت لعيالک اپنے بال بچوں کے لیے کیا چھوڑ آئے ہو؟ فقال الله ورسوله' جواب میں کہا کہ اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم' اسی لیے کہا جاتا ہے اگر تم کامل صوفی دیکھنا چاہو تو حضرت ابوبکر صدیقؓ کو دیکھو کیونکہ وہ صفا کی صفت یعنی صفا کی حقیقت سے بہرہ ور تھے۔

ان اردت صوفیا علی التحقیق ان الصفا صفة الصدیق

صوفی کا لفظ کامل اور محقق اولیائے کرام پر عائد ہوتا ہے۔ مشائخ میں سے کسی کا قول ہے من صافاه الحب فهو صاف و من صافاه الحبیب فهو

صوفی یعنی جو محبت کے ساتھ مصفا ہوا وہ صاف دل ہے اور جو دوست کی محبت میں فنا ہو گیا اور غیر سے بری ہو گیا' وہ صوفی ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ کی نظر میں صوفی کی تین قسمیں ہیں :(۱) صوفی (۲) مُتَصَوِّف (۳) مُستَصوِف۔ صوفی وہ ہے جو خواہشات نفس سے آزاد اور حقیقت حقایق سے واقف ہو۔ متصوف وہ ہے جو اس مقام کو مجاہدے سے حاصل کرنے کی کوشش کر رہا ہو (یعنی سالک راہ طریقت ہو) اور مستصوف وہ ہے جو دولت کی خاطر صوفیہ کی نقالی کر رہا ہو۔ مستصوف صوفیہ کے نزدیک مکھی کی طرح حقیر ہوتا ہے اور عام لوگوں کے لیے بھیڑیے کی طرح خطرناک۔ مختصراً یہ کہ صوفی صاحب وصول (یعنی صاحب وصل حق) متصوف صاحب اصول (یعنی اصول تصوف پر عمل کرنے والا سالک) اور مستصوف صاحب فضول ہے یعنی وہ فضول باتوں میں مصروف ہے اور حقائق تصوف سے دور ہے۔

حضرت جنید کا قول ہے کہ تصوف کی بنیاد آٹھ خصائل پر ہے اور یہ آٹھوں صفات آٹھ پیغمبروں سے علیحدہ علیحدہ متعلق ہیں' جن میں ہر ایک پیغمبر اپنے اپنے طور پر کامل ہے' سخاوت میں حضرت ابراہیمؑ ہیں کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو قربان کیا' رضا میں حضرت اسماعیلؑ ہیں کہ انہوں نے رضائے خداوندی کے لیے اپنی جان عزیز کو پیش کیا' صبر میں حضرت ایوبؑ ہیں کہ انہوں نے بدن کے زخموں میں کیڑے پڑنے کی مصیبت برداشت کی' اشارے میں حضرت زکریاؑ ہیں جن کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تین دن لوگوں سے بات مت کرو مگر اشارے سے' غربت میں حضرت یحییٰ

ہیں کہ وہ اپنے وطن میں بھی اپنوں سے بیگانہ تھے' صوف پوشی میں حضرت موسیٰؑ ہیں کہ ان کا لباس اون کا ہوتا تھا' سیر وسفر میں حضرت عیسیٰؑ ہیں کہ وہ راہ خدا میں تنہا تھے کہ سامان زندگی میں سے ان کے پاس صرف ایک پیالہ تھا اور ایک کنگھی تھی' جب دیکھا کہ ایک شخص ہاتھ (اوک) سے پانی پی رہا ہے تو پیالہ پھینک دیا اور جب دیکھا کہ ایک شخص انگلیوں سے بال درست کر رہا ہے تو کنگھی بھی پھینک دی' فقر میں حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کے سب خزانوں کی چابیاں عطا فرمائیں اور حکم دیا کہ محنت ومشقت چھوڑ کر شان وشوکت سے زندگی بسر کرو' مگر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے عرض کی کہ باری تعالیٰ میں خزانے نہیں چاہتا' مجھے ایک روز سیر ہو کر کھانے کو دے اور دوسرے روز بھوکا رکھ۔ یہ اصول راہ طریقت میں بہترین ہے ــــ تصوف کے بارے میں علی بن بندار الصیر فیؒ کا قول ہے التصوف اسقاط الروية للحق ظاهراً وً باطناً یعنی تصوف یہ ہے کہ ظاہر وباطن سے بے نیاز ہو کر صرف حق پر نظر رکھنا۔ محمد بن احمد المقریؒ کا قول ہے التصوف استقامة الاحوال مع الحق یعنی تصوف خدا کے ساتھ استقامت حال کا نام ہے گویا وہ ہمیشہ ہر حال میں اللہ کے ساتھ ہوتا ہے' اس کے حکم کے مطابق عمل کرتا ہے۔

ابوالحسن نوریؒ کا قول ہے' التصوف هو الحريت والفتوت و ترك التكلف و سخا وبذل الدنيا یعنی تصوف آزادی کا نام ہے اور آزادی سے مراد

ہوس کی قید سے آزادی، فتوت یا جوانمردی یہ ہے کہ انسان قطع علایق کرے، ترک تکلف یہ ہے کہ اپنے حصے کے لیے کوشاں نہ ہو اور سخاوت یہ ہے کہ دنیا کو اہل دنیا کے لیے چھوڑ دے۔ ابوالحسن بوشنجہؒ کا قول ہے التصوف الیوم اسم ولا حقیقة وقد کان حقیقة ولا اسم تصوف آجکل نام ہے بغیر حقیقت کے اور اصل میں یہ حقیقت ہے بغیر نام کے یعنی صحابۂ کرام اور اسلاف کے زمانے میں تصوف نام نہیں تھا بلکہ حقیقت تھا اب نام ہے جو حقیقت سے محروم ہے۔ حضرت ابن جلاؒ کہتے ہیں کہ تصوف تمام تر حقیقت ہے، اس میں کوئی رسم نہیں ہوتی۔ ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ تصوف نہ رسم ہے اور نہ علم ہے۔ بلکہ تمام تر اخلاق ہے، اگر رسوم میں داخل ہوتا تو مجاہدہ سے حاصل ہو جاتا، اگر علوم کا حصہ ہوتا تو تعلیم سے میسر آجاتا، سو تصوف تو تمام تر اخلاق میں شامل ہے۔ (کشف المحجوب، باب تصوف۔ آداب المریدین، ص ٦٧۔ نقد صوفی از ڈاکٹر محمد کاظم، ص ١٢٦۔ طرایق الحقایق۔ انسان الکامل۔ مناہج الطالبین)

اردشیر العبادیؒ کی نظر میں قرآن پاک کی اس آیت اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْن (سورہ ٢، آیت ٥) میں جو مفلحون ہے اس سے مراد صوفیہ ہیں اور قرآن پاک میں صوفیہ کے مختلف اوصاف کا ذکر یوں آیا ہے کہ ان کے پہلو خوابگاہوں سے علیحدہ ہوتے ہیں اس طور پر کہ وہ لوگ اپنے رب کو امید سے اور خوف سے پکارتے ہیں اور ہماری دی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرتے ہیں (تتجافیٰ جنوبھم۔ . . ینفقون) (سورہ ٣٢، آیت ١٦) دوسروں پر ایثار کرنے میں وہ

ان کو خود سے مقدم رکھتے ہیں خواہ وہ خود تنگی میں ہی کیوں نہ ہوں۔(وَیُؤثِرُونَ عَلٰی اَنفُسِهِمْ سورہ ۵۹، آیت ۹) ___ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بھی، بیٹھے بھی، لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں (الذین یذکرون اللہ ..... والارض سورہ ۳، آیت ۱۹۱) یہ لوگ وہ ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے (رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (سورہ ۳۳، آیت ۲۳) جن کو اللہ کی یاد سے اور بالخصوص نماز پڑھنے سے، زکوٰۃ دینے سے نہ تجارت غفلت میں ڈالتی ہے اور نہ خرید وفروخت (غفلت میں ڈالتی ہے) اور وہ ایسے دن کی دارو گیر یعنی قیامت کے دن کی پکڑ سے ڈرتے رہتے ہیں کہ جس میں بہت سے دل اور بہت سی آنکھیں الٹ جائیں گی (رجال" ..... ابصار. سورہ ۲۴، آیت ۳۷) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگا اور وہ اللہ سے راضی ہوں گے۔ یہ لوگ اللہ کی جماعت ہیں اور اللہ کی جماعت (اللہ والوں کی جماعت) ہی فلاح پانے والی ہے۔ (رضی اللہ. ...... مفلحون) سورہ ۵۸، آیت ۲۲)۔ اس حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لا یزال العبدیتقرب اِلیَّ بالنوافل حتیٰ احبه و یحبنی فاذا احببته، صرت له، سمعاً و بصراً ویداً ومویداً فبی یبطش وبی یسمع وبی یبصروبی یتکلم میں صوفیہ ہی کی تعریف ہے کہ وہ اپنی عبادت وریاضت سے یوں قربت حق حاصل کر لیتے ہیں کہ خدا ان سے محبت کرتا ہے اور وہ خدا سے محبت کرتے ہیں، خداوند تعالیٰ ان کے کان، آنکھ اور ہاتھ بن جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ

کے ساتھ ہی سنتے ہیں، دیکھتے ہیں اور بولتے ہیں اور پکڑتے ہیں، یعنی وہ دنیا کے تمام کام اللہ تعالیٰ کے حوالے ہی سے کرتے ہیں۔ (صوفی نامہ، ص ۱۳۱۔ الاصول العشرہ، ص ۳۸)

تصوف میں سالک پہلے تزکیۂ نفس کرتا ہے یعنی نفس کو برائیوں سے پاک کرتا ہے، پھر تصفیۂ قلب کرتا ہے یعنی قلب کو خیالات ماسوا سے صاف کرتا ہے، پھر تجلیۂ روح کرتا ہے یعنی اوصاف حسنہ سے روح کو آراستہ کرتا ہے پھر تخلیۂ سر کرتا ہے یعنی اللہ کے سوا ہر چیز سے دل کو خالی یعنی پاک کرتا ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ کا قول ہے کہ تصوف چھ چیزوں پر مشتمل ہے: (۱) قرآن پر پوری طرح عمل کرنا (۲) سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا (۳) حلال کھانا (۴) مخلوق کو نہ ستانا خواہ مخلوق اسے تکلیف ہی کیوں نہ پہنچائے (۵) ممنوعات سے بچنا (۶) اور دوسروں کے حقوق ادا کرنے میں جلدی کرنا۔ آپ ہی کا قول ہے کہ صوفی وہ ہے کہ جو کدورت سے پاک ہو اور فکر سے پُر ہو (یعنی تفکر کرتا ہو)، خدا کے قریب ہو اور لوگوں سے دور ہو، اس کی نظر میں مٹی اور سونا دونوں برابر ہوں۔

حضرت شبلیؒ کا قول ہے کہ التصوف التعظیم لا مر اللہ و الشفقۃ علی خلق اللہ یعنی تصوف احکامات حق پر اخلاص سے عمل کرنے اور مخلوق خدا پر شفقت کرنے کو کہتے ہیں۔ حضرت ابوالحسن بوشنجہؒ کا قول ہے کہ تصوف کوتاہی امل اور مداومت بر عمل کا نام ہے یعنی امیدیں یا آرزوئیں کم سے کم رکھنا اور ہمیشہ عمل نیک کرنے کا نام تصوف ہے۔ حضرت ابومحمد رویمؒ کا قول ہے کہ تصوف کی بنیاد تین

خصلتوں پر ہے: فقر وافتقار اختیار کرنا' بذل وایثار سے کام لینا اور اعتراض واختیار چھوڑنا۔ آپ ہی کا قول ہے کہ تصوف درحقیقت اعمال حسنہ پر قائم ہونا ہے۔

(تذکرۃ الاولیا، اسرار التوحید، ص ۲۹۷۔ صوفی نامہ، ص ۳۲۔ الانسان الکامل، ص ۸۶)

حضرت محمد بن علی بن حسین بن علیؒ کا قول ہے کہ التصوف خلق لمن زاد علیک فی الخلق زاد علیک فی التصوف یعنی تصوف خوش خوئی اور خوش اخلاقی ہے جو جس قدر زیادہ نیک خو ہوتا ہے وہ اسی قدر زیادہ صوفی ہوتا ہے۔ نیک خوئی کی دو صورتیں ہیں خدا کے ساتھ اور بندوں کے ساتھ۔ خدا کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ اس کے احکامات کی پابندی کی جائے اور بندوں کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ صرف خدا کے لیے ان کے ساتھ میل جول قائم رکھا جائے۔ مرتعشؒ کا قول ہے التصوف حسن الخلق' تصوف حسنِ خلق کا نام ہے۔ جو تین طرح سے ہے (۱) ایک فرمان خداوندی کو پوری طرح ادا کرے (۲) مخلوق میں بڑوں کی عزت کرے' چھوٹوں کے ساتھ محبت سے پیش آئے اور برابر کے لوگوں سے انصاف برتے اور کسی سے عوض ومعاوضہ کی توقع نہ رکھے۔ (۳) خود خواہشات نفسانی سے پرہیز کرے۔ جس شخص کے یہ تینوں امور درست ہو جائیں تو وہ انسان نیک خو ہے۔ کسی نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ اخلاق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہمیں بتائیں! آپ نے فرمایا قرآن پڑھو خدا نے اس میں فرمایا ہے خُذِ الْعَفْوَ وَ اْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ (سورہ ۷' آیت ۱۹۹) معاف کرنے کی خصلت

اختیار کرو، اچھی بات کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔ ابوعلی قزوینیؒ کا قول ہے التصوف هو الاخلاق الرضیه یعنی تصوف اخلاق پسندیدہ کا نام ہے۔
حضرت ابوبکر کتانیؒ کا قول ہے کہ تصوف تمام تر اخلاق ہے جس میں جتنا زیادہ اخلاق ہے وہ اسی قدر صوفی ہے۔

حضرت فتح موصلیؒ کا قول ہے کہ اہل معرفت یعنی صوفیہ وہ لوگ ہیں کہ جب بات کرتے ہیں تو خدا کے بارے میں کرتے ہیں، جب عمل کرتے ہیں تو خدا کے لیے کرتے ہیں اور جب مانگتے ہیں تو خدا سے مانگتے ہیں۔ صوفی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کے بدن دنیا میں ہوتے ہیں لیکن ان کے قلوب آخرت میں ہوتے ہیں (ابدانهم فی الدنیا و قلوبهم فی الآخرة)۔ صوفی کی تعریف یوں بھی کی جاتی ہے "ازخود فانی بحق باقی" یعنی صوفی اپنی ذات میں فانی اور ذات حق کے ساتھ باقی ہوتا ہے، وہ "الحب لله و البغض لله" کے مطابق دنیا والوں سے اللہ کے لیے دوستی اور اللہ کے لیے دشمنی رکھتا ہے اور ہر وقت اس کا دل اللہ میں لگا رہتا ہے گویا اس کی زندگی "دست بکار و دل بایار" کا نمونہ ہوتی ہے۔

ابوسعید ابوالخیرؒ فرماتے ہیں کہ صوفی چکّی کی طرح ہوتا ہے جس طرح چکّی سخت لے کر نرم دیتی ہے اسی طرح صوفی بھی دنیا والوں کی سختیاں سہتا ہے لیکن وہ خود دنیا والوں کے ساتھ نہایت نرمی اور شفقت سے پیش آتا ہے، جس طرح چکّی اپنے گرد چکر لگاتی رہتی ہے صوفی بھی اپنے گرد چکر لگاتا رہتا ہے یعنی ہر وقت اپنی ذات کا

احتساب کرتا رہتا ہے تا کہ ہر نامناسب بات کو خود سے دور کردے۔ کسی نے منصور حلاجؒ سے پوچھا تھا کہ صوفی کون ہے؟ جواب دیا وجدانی الذات (یعنی جس نے ذات کو پالیا)۔ حضرت شبلیؒ کا قول ہے کہ صوفی اس وقت تک صوفی نہیں ہوتا جب تک وہ تمام خلق خدا کو اپنے عیال کی طرح نہ سمجھے یعنی ان پر شفقت نہ کرے۔ ایک بزرگ کا قول ہے کہ صوفی بندۂ حق ہوتا ہے اور جو خدا کا بندہ ہو وہ دونوں جہان سے آزاد ہوتا ہے۔ رتبۃ الحیات میں خواجہ یوسف ہمدانیؒ نے صوفی کی تعریف یوں کی ہے ''از کدورت دنیا پاک گشت و بہ صفو ذکر مولا آراستہ گشت'' یعنی صوفی وہ ہے جو دنیا کی کدورتوں سے پاک ہوگیا اور ذکر مولا کی پاکیزگی سے آراستہ ہوگیا۔ (رتبۃ الحیات، ص ۳۱۔ تذکرۃ الاولیا۔ کشف المحجوب۔ اسرار التوحید)

سعدیؒ گلستان کے دوسرے باب کے آخر میں فرماتے ہیں کہ درویشی بظاہر پرانے کپڑے پہننا اور سر کے بال منڈوانا ہے جبکہ حقیقت میں درویشی دل زندہ و نفس مردہ ہے' درویشوں' یا صوفیوں کا طریقہ ذکر و شکر' خدمت و طاعت و ایثار و قناعت و توحید و توکل و تسلیم و تحمل ہے جو یہ مذکورہ اوصاف رکھتا ہے حقیقت میں درویش یا صوفی ہے خواہ اس نے قبا ہی پہنی ہوئی ہو۔

صوفیہ کے طریقے مختلف ہیں کچھ زندگی بھر عبادت و ریاضت' مجاہدہ و نفس کشی اور گوشہ نشینی میں گذار دیتے ہیں' کچھ خدمت خلق کو اپنا شعار بنالیتے ہیں اور کچھ تعلیم و تعلم کو اختیار کر لیتے ہیں۔ ہر جگہ صوفی صوفی ہی رہتا ہے خواہ خانقاہ میں ہو یا

مدرسہ میں یا کسی محکمہ میں کہ اس کا مقصود قربت حق اور خدمت خلق ہوتا ہے' دل میں سچا اور باطن میں مخلص۔صوفی ساری زندگی تصوف پر خلوصِ دل سے عمل کر کے اپنے دین اور اپنی دنیا کو بناتا ہے اور اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْن کا مصداق بن جاتا ہے۔

تصوف کے مآخذ ومنشا کے بارے میں محققین ومفکرین میں اختلاف ہے' کچھ حضرات تصوف کو اشراقیت سے' کچھ بدھ مت سے' کچھ مسیحیت سے اور کچھ ہندومت سے ماخوذ کہتے ہیں' کچھ محققین تصوف کے وجود کو فلسفۂ یونان بالخصوص نوافلاطونی فلسفہ کے زیر اثر سمجھتے ہیں' ایک گروہ کا خیال ہے کہ تصوف عربوں کے خلاف آریائی قوموں کا ایک قسم کا ردعمل ہے۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ بنیادی طور پر اسلامی تصوف جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے توحید پر پختہ ایمان' شریعت پر خلوص دل سے عمل اور خدمت خلق یا انسان دوستی ہے اور اس حوالے سے تصوف اسلامی خالصتاً اسلامی تعلیمات پر مبنی ہے' البتہ ترک دنیا کا رجحان' وحدت الوجود' تنزلات ستہ کے مسائل' مجاز وحقیقت' ظاہر وباطن' عشق کی عقل پر برتری' کشف وشہود' خواب و تاویلات وتعبیرات وغیرہ کے مضامین تصوف میں شامل ہوئے۔ کیونکہ تصوف نے وقت کے ساتھ ساتھ دوسرے مذاہب یا تہذیبوں کے اثرات بھی قبول کیے۔ یہ اثرات مسلم معاشرے میں یونانی علوم' ہندی' زرتشتی اور دوسرے مذاہب کے افکار کی اشاعت کے نتیجہ میں تصوف میں در آئے اور یہ بات تصوف ہی سے مخصوص نہیں بلکہ دوسرے اسلامی علوم پر بھی بیرونی افکار اثر انداز ہوئے ہیں جیسے فقۂ اسلامی ہے کہ جس میں

یونانی فلسفہ کے اثرات کے تحت علم الکلام وجود میں آیا۔ پھر اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی نظریہ شاید ہی ایسا ہو جس نے اپنے ماضی اور اپنے عہد کے نظریات وتصورات سے بالکل الگ ہو کر نشو ونما پائی ہو' ہر تصور یا نظریہ اپنے اردگرد کے حالات وتصورات اور ماضی کے تجربات وافکار سے کسی نہ کسی رنگ میں متاثر ضرور ہوتا ہے' خواہ منفی طور پر ہو یا مثبت طور پر' خواہ ان نظریات کی تقلید کے بجائے ان پر تنقید کے حوالے ہی سے متاثر کیوں نہ ہو۔ صوفیہ اور مسلم مفکرین علم دوست بھی تھے اور انکے ذہن تعصّبات سے پاک بھی تھے۔ وہ حصول علم کی لگن میں علم کے ہر سرچشمہ سے فیض یاب ہوئے ہیں۔ دنیا کے قدیم مسالک و مذاہب کے علما و مفکرین کے سرمایۂ علم وفکر سے مستفیض و مستفید ہونا ان کی بلند فکری اور بلند نظری کی دلیل ہے لیکن وہ فقیر کی جھولی نہیں بنے بلکہ انہوں نے صرّاف و جوہری کی طرح ہر فکر کی پرکھ کی' جو مناسب تھا اسے قبول کیا اور جو نامناسب تھا اسے رد کر دیا لیکن استدلال و تحقیق سے' تعصب اور تقلید سے نہیں۔ البتہ بعض صوفی حضرات ان اثرات کے حوالے سے صوفیانہ روش و افکار میں توازن و اعتدال قائم نہ رکھ سکے: بعض نے ترک دنیا میں غلو کیا' جو اسلام سے لگّا نہیں کھاتا' بعض کے افکار میں بے اعتدالی آ گئی مثلاً سعد الدین حمویہؒ نے جو نجم الدین کبریٰؒ کے مرید ہیں اپنی کتاب المصباح فی التصوف میں تاویلات بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے' انکے مرید عزیز الدین نسفیؒ نے اپنی کتاب الانسان الکامل میں تناسخ کے باب میں اس انداز سے بات کی ہے کہ جس پر خالص اسلامی تعلیمات

کی روشنی میں اعتراض کی گنجائش نکل سکتی ہے۔

تصوف پر بیرونی اثرات کے حوالے سے بلوشے(Blochet)' براؤن (Brown)' رینان(Renan) کی نظر میں تصوف اسلامی میں ایرانی اثرات نمایاں طور پر موجود ہیں۔ ہنری کوربن(H.Corban) نے تصوف اسلامی پر زرتشتی عقاید کے اثرات کا ذکر کیا ہے جو سہروردی مقتولؒ کے اشراقی نظریات کی صورت میں بھی تصوف میں شامل ہوئے۔

اشراقیت کا نظریہ ایران میں شہاب الدین یحییٰ بن حبش بن میرک سہروردیؒ نے پیش کیا تھا۔ یہاں یہ وضاحت کردی جائے کہ دو اور سہروردی بھی ہوئے ہیں: ایک ضیاء الدین ابو نجیب سہروردیؒ ''آداب المریدین'' کے مصنف' دوسرے شہاب الدین ابو حفص سہروردیؒ جو ابو نجیب سہروردیؒ کے مرید اور بھتیجے ہیں اور ''عوارف المعارف'' کے مصنف ہیں۔ شیخ شہاب الدین یحییٰ بن حبشؒ کو شیخ مقتول بھی کہتے ہیں' حکمت الاشراق ان کی مشہور تصنیف ہے۔ شیخ مقتول کی نظر میں اشراقیت بذریعہ وحی حضرت ادریسؑ پیغمبر یا ھرمس کو ملی تھی' پھر ایران' یونان و مصر میں پھیلی' فیثا غورس' افلاطون' فلاطینوس' کیومرث' فریدون' ذوالنون مصریؒ' سہل تستریؒ ابو یزید بسطامیؒ اور منصور حلاجؒ تک ہوتی ہوئی شیخ مقتولؒ تک پہنچی۔ شیخ سہروردی مقتولؒ فرماتے ہیں کہ عرفان صرف عقل و استدلال ہی سے حاصل نہیں کیا جاسکتا اس کے لیے ذوق وبصیرت اور بینش درونی بھی درکار ہے جسے اشراقیت یا نور قلب کہا

جا سکتا ہے۔ اشراقیت میں ادراک حقیقت کے لیے عقل و استدلال اور کشف و شہود دونوں کی ضرورت ہے۔ ان کی نظر میں سچے فلسفی فارابی اور ابن سینا نہیں بلکہ مشہور صوفیہ بسطامیؒ اور تُستریؒ ہیں' اس ضمن میں وہ ایک خواب کا ذکر کرتے ہیں کہ ایک روز میں نے عالم رویا میں ارسطو سے پوچھا کیا فارابی اور ابوعلی سینا کو ہم فلسفی کہہ سکتے ہیں ؟ ارسطو نے جواب دیا وہ تو فلسفی کا ایک ہزارواں حصہ بھی نہیں' حقیقی فلسفی تو بسطامیؒ اور تُستریؒ ہیں۔ لفظ اشراق کے معنی روشن یا درخشاں ہونے کے ہیں اور مجازی طور پر اس کے معنی الہام یا وحی کے بھی ہیں اور بینش درونی کے بھی' یہ لفظ شرق سے بنا ہے کہ شرق یا مشرق سے سورج طلوع ہوتا ہے' اشراقیت میں مشرق نور کا جہان ہے اور مغرب تاریکی کا جہان ہے' اشراقیت میں حقیقت اولیٰ نور ہے جسے سہروردی مقتولؒ نور الانوار کہتے ہیں۔ عالم بھی نور ہی کی ایک صورت ہے' ہر چیز کی حقیقت نور ہے' چیزوں میں اختلاف نور کی کمی اور بیشی کی وجہ سے ہے۔ کائنات کی حقیقت نور ہے جس کی تعریف نہیں کی جاسکتی' کیونکہ کوئی چیز نور سے زیادہ واضح اور روشن نہیں اور جو چیز بے انتہا واضح اور روشن ہو' اس چیز کو نہ دیکھا جاسکتا ہے اور نہ اس کی تعریف ہی کی جاسکتی ہے۔ نور مطلق جسے سہروردیؒ نے نور الانوار بھی کہا ہے حقیقت الٰہی ہے' یہی نور ہر وجود کا منبع ہے' نور مطلق یا نور الانوار یا خداوند تعالیٰ ہمیشہ اشراق یعنی نور افشانی کر رہا ہے اور ہر چیز کو وجود بخش رہا ہے' زندگی عطا کر رہا ہے' ہر حسن اور ہر کمال اسی کی رحمت کی عطا ہے اور فنافی اللہ اور بقاباللہ یا مکتی یا نروان درحقیقت اسی نور سے وصال کا نام ہے۔

(شرح گلشن راز، ص ۶۵۔ سید حسین نصر، سہ حکیم مسلمان، ص ص ۸۰-۷۰)

تصوف میں تاویلات کی روایت یا مطالب کو رمزیہ انداز میں بیان کرنے کا جو دستور ہے یہ بھی ایران کے قدیم زرتشتی علما ہی کی روش کا عکاس ہے' علامہ قطب الدین شیرازیؒ شارح حکمت اشراق کی نظر میں زرتشتی مذہب میں تصور اہرمن (ابلیس یا شیطان) اور تصور اہورا مزدا (خداوند تعالیٰ) درحقیقت امکان و وجوب کا اشارہ ہے' اس سے مراد دو خدا نہیں۔ یہاں یہ وضاحت کر دی جائے کہ امکان سے مراد ممکن الوجود ہے اور وجوب سے مراد واجب الوجود ہے۔ وجود دو قسم کے ہیں: ایک وہ جو خود بخود وجود میں آیا اور اپنے وجود میں آنے کے لیے کسی اور کا محتاج نہیں' وہ واجب الوجود ہے' جو ذات حق جل علیٰ شانہٗ ہے اور دوسرا وجود ماسوائے خدا ہر شے ہے جو ممکن الوجود ہے اور اپنے وجود میں آنے کے لیے کسی اور کا محتاج ہے (یعنی ذات حق جل علیٰ شانہٗ کا محتاج ہے)۔ اس پس منظر میں تصور اہرمن سے مراد ممکن الوجود ہے یعنی مخلوق ہے اور تصور اہورا مزدا سے مراد واجب الوجود ہے یعنی خالق کائنات ہے۔ گویا قطب الدین شیرازیؒ کا کہنا ہے کہ اہورا مزدا خدا کا اشارہ ہے' اہرمن مخلوق کا اشارہ ہے اور اہرمن سے مراد ابلیس نہیں۔

مغربی مفکرین کا ایک گروہ' جس میں فان کریمر (Alfred Von Kremer)' گلدزیھر (Goldziher) ڈوزی (Reinhart P.)

Dozy) اور مشرقی مفکر ومحقق ابوریحان البیرونی شامل ہیں' اس نظریے کا حامی ہے کہ تصوف میں وحدت الوجود کا نظریہ بہت حد تک ویدانت کے زیر اثر وجود میں آیا اور ریاضت ونفس کشی کی روایات ہندی اپانشد کی تعلیمات سے ماخوذ ہیں۔

تصوف پر ہندی افکار کے اثرات دو طرح کے ہیں:

(۱) طریقۂ اشراق بذریعہ ریاضت

(۲) عقیدۂ وحدت الوجود

اپانشد کی تعلیمات کے مطابق استغراق یا دھیان گیان کا طریقہ یہ ہے کہ ایک گوشۂ تنہائی میں دوزانو بیٹھ کر منہ، کان' ناک اور آنکھوں کو بند کر کے آہستہ آہستہ سانس لیا جائے، اگرچہ ابتدا میں صوفیہ عبادت و ریاضت میں مشغولیت بہت زیادہ رکھتے تھے لیکن یہ ریاضت زیادہ تر فرائض ونوافل کے ادا کرنے تک محدود تھی' جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ حضرت رابعہ بصریؒ ساری رات نمازیں پڑھتی تھیں اور دوسرے متصوفین بھی قائم اللیل و صائم النہار ہوتے تھے اور کھانے پینے میں نہایت سادگی رکھتے تھے' لیکن بعد میں فرائض ونوافل کی ادائیگی کے علاوہ ریاضت ونفس کشی بھی رائج ہوگئی۔ چنانچہ سلسلہ مولویہ میں مرید کرنے سے پہلے طالب ارادت کو حکم دیتے تھے کہ چالیس روز جانوروں کی خدمت کرے' چالیس روز فقرا کے بیت الخلا صاف کرے' چالیس روز ان کے لیے پانی بھرے' چالیس روز ان کی چارپائیاں بچھائے' چالیس روز ان کے لیے لکڑیاں کاٹ کر جنگل سے لائے' چالیس روز کھانا پکائے' چالیس روز

بازار سے سودا سلف لائے' چالیس روز مجالس درویشاں میں خدمت انجام دے اور چالیس روز پاسبانی (چوکیداری) کرے تب کہیں وہ مرید بننے کے لائق بنتا تھا' پھر اسے غسل کرا کے توبہ کرائی جاتی تھی اور اسے خانقاہ کے حلقہ میں داخل کیا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ ریاضت و نفس کشی کے نتیجہ میں چند دن بغیر کھائے پیئے رہتے تھے۔ (شرح گلشن راز، ص ۳۵)

حضرت ابوالحسن خرقانیؒ کا قول ہے کہ مجاہدہ چالیس سال کا ہے: سالک دس سال مجاہدہ کرے تاکہ اس کی زبان سچی ہو جائے' دس سال مجاہدہ کرے تاکہ سالک کا ہاتھ سچا ہو جائے' دس سال مجاہدہ کرے تاکہ آنکھ سچی ہو جائے' دس سال مجاہدہ کرے تاکہ دل سچا ہو جائے۔ (تذکرۃ الاولیا، حصہ دوم، ص ۲۰۴)

عام خیال ہے کہ نظریۂ وحدت الوجود دو جگہوں سے تصوف اسلام میں داخل ہوا' ایک یونان سے دوسرا ہندوستان سے۔ یہ نظریہ علمی اور فلسفی رنگ میں یونان سے اور اخلاقی رنگ میں ہندوستان سے تصوف میں آیا۔ لیکن مسلم وحدت الوجودی ہمیشہ اس بات کے قائل رہے ہیں کہ خدا خدا ہے اور مخلوق مخلوق ہے۔

آنکہ گوید جملہ حق است احمقی است   آنکہ گوید جملہ باطل او شقی است

یعنی جو یہ کہے کہ ہر چیز خدا ہے وہ احمق ہے اور جو یہ کہے کہ ہر چیز باطل ہے وہ بدبخت ہے' اسی حوالے سے ابن عربیؒ جو وحدت الوجود کے سب سے بڑے داعی ہیں فرماتے ہیں کہ بندہ' بندہ ہی رہتا ہے خواہ وہ کتنی ہی ترقی کر لے اور خدا' خدا ہی

رہتا ہے خواہ وہ کتنا ہی تنزل فرمائے۔ وحدت الوجود ہی کے تصور سے ایک حد تک تناسخ اور حلول واتحاد کے نظریات بھی وابستہ ہیں اور کچھ صوفیہ جیسے عزیز الدین نسفیؒ مصنف الانسان کامل کے ہاں ان نظریات کے اثرات بھی ملتے ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بیشتر صوفیائے اسلام نے عقیدۂ وحدت الوجود کو پیش کرتے ہوئے حلول واتحاد کے ہندوانہ نظریات کی نفی کی ہے۔ شیخ شبستریؒ نے صاف طور پر حلول و اتحاد کے تصورات کو رد کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

حلول و اتحاد این جا محال است   کہ در وحدت دوئی عین ضلال است

یعنی توحید وتصوف میں حلول واتحاد یعنی انسان میں خدا کا حلول کرنا یا ذات حق کا بندہ کی ذات میں پیوست ہو جانا، ناممکن ہے کہ وحدت میں دوئی تمام تر گمراہی ہے۔

یونانی اشراقی حکما کے افکار نے بھی تصوف اسلامی پر اثر ڈالا ہے۔ افلاطون حقیقت کا ادراک اور معرفت کا ذریعہ اشراق کو سمجھتا ہے اور عشق کے بغیر معرفت حق کو محال خیال کرتا ہے۔ کائنات کو غیر حقیقی اور اعیان کو حقیقی جانتا ہے۔ (شرح گلشن راز، سیر حکمت در اروپا)

یوں افلاطونی افکار کے ذریعہ عشق حقیقی کے تصور کے ساتھ ساتھ اعیان کا نظریہ بھی تصوف میں داخل ہوا، عشقِ حقیقی کے تصور سے عشق وعقل کی باہمی آویزش اور عقل کی عشق پر برتری کے مضامین تصوف میں شامل ہوئے۔ اعیان کا تصور جو اعیان ثابتہ، اعیان ممکنات، عالم مثال اور صور علمی کے عنوان سے ہے۔ افلاطون کا

نظریہ یہ تھا کہ ہر چیز جو دنیا میں ہے وہ نقل ہے اور اس کا تصور یا اس کی حقیقت عالم مثال میں ہے' جسے وہ عین کہتا ہے' (عین کے معنی آنکھ کے بھی ہیں' عین کے معنی چشمہ کے بھی ہیں' عین کے معنی بزرگ قوم یا سردار قوم کے بھی ہیں' عین کے معنی ذات یا نفس یا شے کی حقیقت یا تصور کے بھی ہیں) اسی سے ملتا جلتا نظریہ صوفیہ کا ہے کہ خدا سے صور علمیہ' اعیان ثابتہ ظہور میں آئے اور یہ اعیان ثابتہ گویا تمام اشیاء کے حقایق ہیں' ان کو ہی مُثُل افلاطون کہا جاتا ہے۔ صوفیہ کی زبان میں اعیان ثابتہ یا صور علمیہ اسماء الٰہی کی وہ صورتیں یا مظاہر ہیں جو حق تعالیٰ کے علم میں ظاہر ہوتے ہیں اور اسما الٰہی کی وہ صورتیں اور وہ مظاہر جو خارج میں ظاہر ہوتے ہیں انہیں اعیان ممکنات کہا جاتا ہے۔ انہیں وجود عینی اور عالم شہادت کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ افلاطون کے افکار زیادہ تر افلاطونیان جدید کے ذریعے تصوف میں آئے۔ افلاطونیان جدید نے نہ صرف افلاطون کے متصوفانہ افکار کی تجدید کی بلکہ کچھ اپنے افکار بھی پیش کیے' ان کی نظر میں کائنات تخلیق نہیں ہوئی بلکہ تجلیات حق سے بروز (ظہور) وشہود میں آئی جسے وہ تنزلات خمسہ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں اور تنزلات خمسہ کا تصور (یعنی خدا نے سب سے پہلے احدیت سے وحدت میں' پھر وحدت سے واحدیت میں' واحدیت سے مثال میں' مثال سے روح میں اور روح سے جسم میں نزول فرمایا' بعض صوفیہ یوں بھی کہتے ہیں کہ پہلے عالم روح ہے پھر عالم مثال ہے' پھر عالم مادی ہے) وحدت الوجود کے بنیادی نظریات میں سے ہے۔ اس حوالے سے تصوف اسلامی پر افلاطونیان جدید

کے تصورات کا اثر بڑا نمایاں ہے۔ افلاطونیان جدید کو یونانی حکما کا آخری سلسلہ سمجھا جاتا ہے۔ افلاطونیان جدید کا بانی سکّاس (Ammonius Saccas) مصر کا رہنے والا تھا۔ ابتدا میں وہ حجام تھا' اس نے تعلیم حاصل کی' اسکندریہ میں فلسفہ کا استاد مقرر ہوا۔ وفات ۲۴۲ء میں پائی۔ فلاطینوس اسی کا شاگرد تھا چونکہ فلاطینوس نے استاد کے افکار کو پورے استدلال سے پیش کیا تھا' اس لیے اس سلسلے کا بانی فلاطینوس کو سمجھا جاتا ہے' فلاطینوس کے شاگرد فرفوریوس نے استاد کے ۵۴ رسالوں کو ۶ جلدوں میں مرتب کیا جو تاسوعات یا رسالہء نہ گانہ کے نام سے مشہور ہوئیں۔ فلاطینوس کے وحدت الوجود' تصور قوس نزول وصعود اور نظریۂ عشق نے تصوف اسلامی پر بڑے وسیع اثرات مرتب کیے ہیں۔ (سیر حکمت در اروپا، ص ۸۶)

تصور وحدت الوجود نویں دسویں صدی عیسوی میں تصوف میں داخل ہوا' وحدت الوجود سے مراد یہ ہے کہ حقیقی وجود ایک ہی ہے جو ذات حق ہے' جو واجب الوجود ہے' قدیم ہے' عین العیون ہے' علت العلل ہے' محرک غیر متحرک ہے' باقی موجودات کا وجود عارضی ہے' ظاہری ہے' ظلّی ہے' حادث ہے' ممکن ہے یا محض خیال' وہم بلکہ سراب ہے یا نظر کا فریب ہے۔ فلاسفہ بھی ایک حد تک وحدت الوجود کے قائل ہیں' فرق صرف یہ ہے کہ فلاسفہ استدلال و برہان کے ذریعے وجود کی وحدت کو ثابت کرتے ہیں اور صوفیہ کشف وشہود کے واسطے سے اسے حق جانتے ہیں' اسی لیے کہتے ہیں کہ مشہور فلسفی ابن سینا نے کہا تھا کہ جو کچھ ابو سعیدؒ (ایک مشہور صوفی) دیکھتے ہیں

میں جانتا ہوں اور حضرت ابوسعیدؒ نے کہا تھا جو کچھ ابن سینا جانتے ہیں میں دیکھتا ہوں۔

تصوف میں ترک دنیا کے اثرات بھی بہت حد تک رہبانیت یا مسیحیت کے حوالے سے آئے ورنہ اسلام تو رہبانیت یا ترکِ دنیا کو واضح طور پر رد کرتا ہے' قرآن پاک میں ہے کہ رہبانیت انہوں نے یعنی عیسائیوں نے گھڑ لی ہے ہم نے تو حکم نہیں دیا (سورہ ۵۷ آیت ۲۷) اور حدیث رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ "لا رھبانیت فی الاسلام" یعنی اسلام میں رہبانیت (ترک دنیا) کی کوئی گنجائش نہیں۔

مسلمانوں کے صوفیانہ ادب میں نہ صرف علم کی تعریف وتوصیف اور اس کی اہمیت کا ذکر ہے بلکہ اس کے متعلق اور بہت سے اہم اور خرد افروز افکار و نکات بھی بیان ہوئے ہیں، مثلاً علم کیا ہے، علم کا عالم اور معلوم سے کیا رشتہ ہے، علم کی قسمیں عالم کے حوالے سے، علم کی قسمیں معلوم کے حوالے سے، علم کی قسمیں ذرائع علم کے حوالے سے، علم کے مختلف پہلو یا درجے مثلاً تفکر، فراست، بصیرت وغیرہ علم وعقل کا باہمی تعلق، عقل کے مختلف مدارج، عقل کی قسمیں، حقیقت کے ادراک میں علم وعقل کی کارفرمائی، عقل کے ساتھ عشق کا مقابلہ وموازنہ، عشق کی حقیقت، حقیقت کے ادراک میں عشق کی کامیابی اور عقل وعلم کی ناکامی کے ذکر کے ساتھ کشف وشہود، خواب وتاویل کے مطالب بھی بیان ہوئے ہیں جن کی تفسیر وتعبیر میں صوفیہ نے جودت طبع، ذہانت فکر، نکتہ رسی اور نکتہ آفرینی کی خوب داد دی ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ حقیقت مطلقہ تک رسائی کے لیے دو راستے ہیں: (۱) علم وعقل کی راہ، (۲) عشق کی راہ__ اور ہزاروں سال سے انسان ان دونوں راستوں پر گامزن ہے۔ عقل وعشق دو چراغ ہیں جو انسان کے راستے میں امانت الٰہی کی معرفت حاصل کرنے کے لیے روشن ہیں تا کہ اس امانت کے بارگراں کو جس کے اٹھانے سے زمین وآسمان نے انکار کردیا تھا اور جس کا قرعۂ فال انسان کے نام پر پڑا تھا جو ''ظلوماًجھولا'' کے خطاب سے سرفراز ہوا تھا، اس ''بیچارے ظالم وجاہل'' نے امانت الٰہی کا یہ بارگراں اپنے کندھے پر اٹھالیا تا کہ اسے منزل مقصود پر پہنچادے یعنی عرفانِ حق حاصل کرے اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ (سورہ احزاب، آیت ۷۲) اس حقیقت پر شاہد ہے۔ عقل وعشق کی راہ پر گامزن حضرات میں سے وہ لوگ جو عشق کی دنیا کے شہسوار ہیں یعنی صوفیہ اس کتاب کا تعلق ان سے ہے، سو اس کتاب میں علم وعقل وعشق، کشف وکرامت، خواب، تعبیر وتاویل وغیرہ کے باب میں صوفیانِ صاف دل کے افکار پیش کیے گئے ہیں جو روشن فکری اور نکتہ رسی کی خوبیوں کے ساتھ انسان ساز اور انسانیت آموز بھی ہیں، جن کا مطالعہ قارئین کے لیے امید ہے دلچسپ اور مفید ہوگا۔

وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ

(قرآن، سورہ ۲۶، آیت ۸۴)

ظہیر احمد صدیقی

علم وعشق، خواب وکشف وکرامت
صوفیہ کی نظر میں

علم اور صوفیہ:

اہل علم کہتے ہیں کہ علم کے معنی جاننے کے ہیں' اس جاننے کے عمل میں ہم اشیا کے تصور کو ذہن میں لاتے ہیں یعنی ہم جب کسی چیز کا تصور کرتے ہیں تو ذہن میں اس کی ہویت (حقیقت) داخل نہیں ہوتی بلکہ صرف اس کی ماھیت (صورت) ذہن میں داخل ہوتی ہے اور ماھیت اس کی عقلی صورت ہے۔ اس لیے سفیدی کے تصور کرنے سے ذہن سفید نہیں ہوتا اور گرمی کے تصور کرنے سے ذہن گرم نہیں ہوتا ــــــ کسی چیز کے جاننے والے کو عالم کہتے ہیں اور چیز کو معلوم اور عالم ومعلوم میں جو تعلق ہے اسے علم کہا جاتا ہے ــــــ ایک صوفی ابوعلی ثقفیؒ نے علم کی تعریف یوں کی ہے "العلم حیات القلب من الجهل ونور العین من الظلمة" یعنی علم دل کو جہالت سے بچا کر زندگی عطا کرتا ہے اور تاریکی سے بچاؤ کے لیے آنکھوں کا نور ہے۔ عین القضاۃ ہمدانی کی نظر میں علم وہ ہے جس سے کسی چیز کی حقیقت کو صحیح طور پر بیان کیا جا سکے جبکہ معرفت میں کسی چیز کی تعریف متشابہ الفاظ میں بیان کی جاتی ہے ــــــ حصول علم کے ذرائع تین ہیں: (۱) حواس ظاہری (۲) حواس باطنی (۳) وجدان یعنی محسوسات' معقولات اور مکشوفات۔ ذرائع علم کے حوالے سے یوں

بھی کہا جاتا ہے کہ قوت سماعت سے علم تاریخ وابستہ ہے' قوت بصارت سے مشاہدہ اور دل سے مکاشفہ متعلق ہے ___ ذرائع کے حوالے سے علم کی دو قسمیں ہیں: علم لدنی یعنی وہ علم جو اس آیت ''وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلما'' (سورہ ۱۸' آیت ۶۵) کے مطابق بغیر ظاہری اسباب کے خداوند تعالی کی طرف سے بندہ کو عطا ہوتا ہے۔ اسے فراست بھی کہتے ہیں' وجدان بھی کشف وشہود بھی اور وحی والہام بھی۔ وحی والہام صرف اہل ایمان کے لیے مخصوص ہیں' وحی صرف پیغمبر یا نبی پر اترتی ہے جس پر دوسروں کو عمل کرنا واجب ہے۔ الہام عام مومن کو بھی ہوتا ہے لیکن دوسروں کے لیے اس پر عمل کرنا واجب نہیں ہوتا۔ کشف و وجدان بھی عام مسلمانوں سے متعلق ہیں' غزالیؒ کی نظر میں وجدان اندرونی احساس کا نام ہے' جسے وہ کہتے ہیں کہ ''ہوالمفتاح اکثر المعارف'' (یعنی جو بہت سے علوم کی کنجی ہے)۔ گویا کانٹ (وفات ۱۸۰۴م) اور برگسان (وفات ۱۹۴۱م) سے پہلے غزالی (وفات ۵۰۵ھ) وجدان کا انکشاف کر چکے تھے۔ غزالیؒ اپنے نظریے کی تائید میں یہ قرآنی آیت فَمَن یُرِدِ اللّٰهُ اَن یَّهْدِیَهُ یَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلاِسْلَامِ (سورہ ۶' آیت ۱۲۵) پیش کرتے ہیں گویا یہ شرح صدر وجدان ہی ہے۔ علامہ اقبال وجدان کو حقیقت کا بلاواسطہ علم کہتے ہیں ___ علم کی دوسری قسم اکتسابی ہے یعنی وہ علم جو حواس خمسۂ ظاہری یا باطنی کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شک یا حیرت علم کی بنیاد ہے کہ شک یا حیرت علم کو جنم دیتی ہے لیکن جب علم آجاتا ہے تو شک ختم ہوجاتا ہے اور حیرت معدوم ہوجاتی ہے ___ عالم کے حوالے سے بھی علم کی دو قسمیں ہیں' ایک علم الٰہی

اور دوسرا علم بندہ' علم الٰہی لامحدود ولازوال ہے اور علم بندہ محدود ہے' زمانی ہے اور فانی ہے۔ معلوم کے حوالے سے بھی علم کی تین اقسام ہیں: (۱) علم طبیعت یعنی علم کائنات' (۲) علم نفس یعنی انسان کی اندرونی کیفیات کا علم (۳) علم الٰہی یعنی خدا کی ذات وصفات وافعال کا علم ــــــ یقین کے حوالے سے علم کی تین قسمیں ہیں: علم کی ایک قسم علم الیقین ہے' ایک عین الیقین ہے اور ایک حق الیقین ہے' علم الیقین استدلال عقلی سے حاصل ہوتا ہے' عین الیقین مشاہدے سے متعلق ہے' حق الیقین میں انسان خود حقیقت تک پہنچ جاتا ہے۔ پہلا علم گویا شنید ہے' دوسرا دید ہے اور تیسرا علم چشید ہے۔ بعض صوفیہ کی نظر میں تین علوم فرض ہیں: (۱) خدا کی شناخت کا علم (۲) خدا کی پرستش کا علم (۳) خدا کی مخلوق کے ساتھ معاملات کا علم۔

قرآن پاک نے علم کی اہمیت پر بے حد زور دیا ہے' خود لفظ قرآن اور لفظ اقراء کے معنی پڑھنے کے ہیں۔ قرآن کا نام کتاب بھی ہے اور قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ سورہ نون میں قلم کی قسم کھاتے ہیں۔ اسلامی ادبیات میں خود ''لوح وقلم'' کے الفاظ بھی علم کی اہمیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ قرآن پاک کی یہ آیات وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّها (سورہ۲' آیت ۳۱) اور وَمَنْ يُوتَ الحِكْمَتَ فَقَدْ اُوتِيَ خَيراً كَثِيرا (سورہ۲' آیت ۲۶۹) رَبِّ زِدنِي عِلما (سورہ۲۰' آیت ۱۱۴) علم وحکمت کی افادیت' ضرورت اور اہمیت کو بیان کرتی ہیں۔ قرآن پاک میں ان تین علوم کا بالخصوص ذکر ہے:

(۱) پچھلی قوموں کے حالات کا مطالعہ (۲) کائنات کا مشاہدہ اور (۳) خود

اپنی ذات پر غور وفکر کرنا' گویا قرآن نے مطالعۂ مشاہدے' مراقبے یا محاسبے کی ضرورت پر زور دیا ہے اسے ہم تذکر' تعقل اور تفکر بھی کہہ سکتے ہیں ___ اور علم کی اہمیت کے حوالے سے قرآن سوال کرتا ہے' هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (سورہ ۳۹' آیت ۹) کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں (یعنی عالم) اور جو نہیں جانتے (یعنی جاہل) برابر ہیں' اور یہ تو حقیقت ہے کہ ایک عالم جاہل سے برتر ہے' یوں علم کی اہمیت مسلم ہے۔

حدیث میں ہے کہ طالب علم کے کام سے خوش ہو کر فرشتے اپنے بازو اس کے لیے پھیلا دیتے ہیں۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر تم علم کا ایک باب سیکھو یہ بات اس سے بہتر ہے کہ تم سو رکعتیں نفلیں پڑھو۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ مجلس علم میں شریک ہونا' ہزار رکعتیں پڑھنے' بیماروں کی عیادت کرنے اور ہزار جنازوں میں شرکت کرنے سے بہتر ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے علم ایک خزانہ ہے جس کی کنجیاں سوال ہیں' پس سوال کرو کہ اس میں چار شخصوں کو ثواب ملتا ہے: (۱) سوال کرنے والے کو (۲) عالم کو (۳) سننے والے کو (۴) اور جو علم سے محبت رکھتا ہو۔ حضرت معاذؓ بن جبل سے روایت ہے' رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم کی طلب عبادت ہے' اس کا ذکر تسبیح' علم کی بحث جہاد' دوسروں کو سکھانا صدقہ' علم خلوت کا دوست' دشمنوں کے سامنے ہتھیار اور دوستوں کے سامنے زینت ہے ___ کہا جاتا ہے کہ عالم کے قلم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے افضل ہے ___ صوفیہ کہتے ہیں کہ

علم روح ہے اور عمل جسم ہے‘ صوفیہ علم کو عرفان پر بھی فضیلت دیتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ کو عالم کہتے ہیں عارف نہیں کہتے۔ علم عقل پر حاکم ہے‘ عقل علم پر حاکم نہیں‘ یوں علم کی فضیلت مسلّم ہے۔ مشائخ کہتے ہیں کہ جو شخص علم کی باتیں کان سے سنتا ہے وہ حقائق سے دور رہتا ہے اور حکایات بیان کرتا ہے‘ جو علم کی باتیں دل سے سنتا ہے وہ عبرت حاصل کرتا ہے اور حقائق بیان کرتا ہے اور جو شخص علمی باتوں پر عمل کرتا ہے وہ منزلِ مقصود کو پالیتا ہے۔

مشہور صوفی حضرت عبداللہ مبارکؒ کا قول ہے علم کے مختلف مراحل ہیں:
(۱) نیت (۲) سماع (۳) فہم (۴) حفظ (۵) عمل (٦) نشر ___ یعنی حصول علم میں سب سے پہلا قدم نیت ہے کہ علم حاصل کرنے کا ارادہ کیا جائے (۲) استاد سے علم حاصل کیا جائے (۳) اسے سمجھا جائے (۴) اسے حافظے میں جگہ دی جائے (۵) علم کے مطابق عمل کیا جائے۔ (٦) علمی باتیں دوسروں کو بتائی جائیں‘ ایک صوفیِ صاف دل کا قول ہے کہ مجھے دو شخصوں پر ترس آتا ہے۔ (۱) وہ شخص جو علم کا طالب ہو لیکن سمجھتا نہ ہو۔ (۲) وہ شخص جو علم کو سمجھتا ہو لیکن اس کا طالب نہ ہو۔ حضرت ابو درداءؓ کا قول ہے‘ عالم بن‘ یا طالب علم بن یا سننے والا‘ ان تین کے سوا چوتھا مت بن ورنہ ہلاک ہو جائے گا ___ ایک صوفی کا قول ہے‘ کاش مجھے معلوم ہو سکے کہ جو علم سے محروم رہا اس نے کیا خیر پائی اور جس نے علم کی دولت پالی وہ کس چیز سے محروم رہا۔ ایک صوفی کا قول ہے کہ شقاوت (بدبختی) کی نشانیاں تین ہیں:

(۱) انسان علم سے محروم ہو (۲) علم تو حاصل ہو لیکن عمل سے محروم ہو (۳) عمل تو ہو لیکن اخلاص سے محروم ہو۔

کسی صوفی کا قول ہے کہ علم عمل کو آواز دیتا ہے اگر وہ جواب دے تو ٹھہر جاتا ہے ورنہ کوچ کر جاتا ہے' علم کے مطابق عمل ہوگا تو علم بھی بقدر عمل ترقی کرے گا۔ کسی اہل دل کا کیا خوب قول ہے ''علم ہو اور حکمت یا دانائی نہ ہو' طاقت وقوت ہو اور ضمیر زندہ نہ ہو تو کوئی تباہی آئی کہ آئی''۔[۱]

علم اور حضرت علی ہجویریؒ:

حضرت علی ہجویریؒ کی نظر میں علم دو ہیں: علم خدا' اور علم بندہ' بندے کا علم محدود ہے وَمَا اُوتِیتُم مِنَ العِلمِ اِلّا قَلِیلا یعنی تمھیں تھوڑا سا علم دیا گیا ہے (سورہ ۱۷' آیت ۸۵) اس کی دلیل ہے اور خدا کا علم لامحدود ہے' وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیءٍ عَلِیم (سورہ ۴' آیت ۱۷۶) اس کی دلیل ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ علم حاصل کرے اور اس میں کمال پانے کی کوشش کرے۔ اگرچہ یہ بھی حقیقت ہے کہ انسانی علم کا کمال بھی علم خداوندی کے سامنے جہالت ہے پس انسان اس قدر جان لے کہ وہ ذات حق کے بارے میں کچھ نہیں جانتا:

العجز عن درک الادراک ادراک والوقف فی طرق الاخیار اشراک

یعنی انسان ذات حق کے جاننے سے عاجز ہے اور یہی اس کا عجز درحقیقت اس کے علم کی بنیاد ہے لیکن اس راہ میں علم کے حصول سے رک جانا بھی شرک ہے' حضرت علی ہجویریؒ کا قول ہے کہ جو علم حاصل نہیں کرتا اور جہالت پر اڑا رہتا ہے' مشرک ہے اور جو علم

حاصل کرتا ہے اور کمال علم پالیتا ہے وہ جان لیتا ہے کہ علمِ حق کے سامنے اس کا علم کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ حصول علم کے بعد یہ عجز وانکسار تحصیل علم کا حاصل ہے ــــ حضرت حاتم اصمؒ کا قول ہے کہ میں نے چار چیزوں کا علم حاصل کیا اور تمام دنیا کے علوم سے بے نیاز ہو گیا' ان چار چیزوں کا علم یہ ہے:

(۱) میں نے یہ جان لیا کہ میرا رزق مقدر ہے' اس میں کوئی کمی یا بیشی نہیں ہو سکتی' میں نے زیادہ کی خواہش سے نجات پالی۔ (۲) میں نے جان لیا کہ خدا تعالیٰ کا مجھ پر حق ہے جسے میرے سوا کوئی ادا نہیں کر سکتا' میں اس حق کو ادا کرنے میں مشغول ہو گیا۔ (۳) میں نے یہ جان لیا کہ میرا ایک طالب ہے یعنی موت جس سے مفر نہیں' میں نے اس کی تیاری کر لی۔ (۴) میں نے یہ جان لیا کہ میرا ایک خدا ہے جو میرے حال سے پوری طرح واقف ہے' سو میں نے ناشائستہ افعال کو ترک کر دیا۔

حضرت علی ہجویریؒ کی نظر میں اصول اور فروع کے حوالے سے علم کو ظاہری اور باطنی دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ اصول کا ظاہر قول شہادت اور اس کا باطن تحقیق معرفت ہے' اسی طرح فروع کا ظاہر درستی معاملات اور اس کا باطن درستی نیت ہے' یہ سب ایک دوسرے کے لیے لازم ہیں' حقیقت کا ظاہر باطن کے بغیر منافقت اور حقیقت کا باطن ظاہر کے بغیر زندیقیت ہے۔ ظاہر شریعت بغیر باطن کے ناقص اور شریعت کا باطن بغیر ظاہر کے ہوس ہے ــــ علم حقیقت کے تین ارکان ہیں: (۱) ذات حق اور اس کی وحدانیت کا علم (۲) صفات حق اور حق کے احکام کا علم

(۳)افعال حق اور ان کی حکمتوں کا علم' اسی طرح شریعت کے بھی تین ارکان ہیں:
(۱) کتاب (۲) سنت (۳) اجماع امت ۲

محمد بن فضل البلخیؒ کا قول ہے کہ علم تین ہیں :علم باللہ' علم من اللہ اور علم مع اللہ ___ (۱) علم باللہ معرفت حق ہے جس کے ذریعے انبیا اور اولیا نے باری تعالیٰ کو جانا' یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ بندے کا علم معرفت حق کے لیے علت اور سبب نہیں بلکہ خدا کی معرفت خدا کی ہدایت اور توفیق ہی سے حاصل ہوتی ہے (۲) علم من اللہ علم شریعت ہے (۳) علم مع اللہ مقامات طریق حق سے متعلق علم ہے۔ حضرت علی ہجویریؒ کا قول ہے کہ بغیر شریعت کے معرفت درست نہیں اور بغیر اظہار مقامات کے شریعت پر عمل صحیح نہیں ___ ابوبکر وراقؒ کا قول ہے جس نے بغیر زہد کے علم کلام اختیار کیا وہ بے دین ہوا اور جس نے بغیر تقویٰ کے فقہ کو اپنایا فاسق ہوا ___ شیخ المشائخ یحییٰ ابن معاذ الرازیؒ کا قول ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے بچو' غافل علما سے' خوشامدی قاریوں سے اور جاہل صوفیوں سے ___ حضرت بایزیدؒ کا قول ہے کہ میں نے تیس سال مجاہدہ کیا لیکن مجھے کوئی مشقت علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے زیادہ سخت معلوم نہیں ہوئی ۳

علم اور امام محمد غزالیؒ:

حضرت امام محمد غزالیؒ فرماتے ہیں کہ علم حصول مال کا ذریعہ بھی ہے' دنیا میں عزت کا سبب بھی ہے اور آخرت کی سعادت کا حصول بھی علم ہی سے وابستہ ہے۔ ان

کی نظر میں علم کی دو قسمیں ہیں: (۱) علم معاملہ (۲) علم مکاشفہ ___ علم معاملہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) علم ظاہر یعنی ظاہری اعضاء کے اعمال کا علم

(۲) علم باطن یعنی دلوں کے اعمال کا علم۔

علم ظاہر کی دو قسمیں ہیں: (۱) عبادات (۲) معاملات۔

علم باطن کی دو قسمیں ہیں: (۱) اچھی عادتیں (۲) بری عادتیں۔

وہ علم جس کا حصول فرض ہے متکلمین کے نزدیک علم کلام ہے' متصوفین کے نزدیک علم تصوف' فقہا کے نزدیک علم فقہ' مفسرین اور محدثین کے نزدیک علم کتاب اللہ اور علم سنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ امام غزالیؒ کے نزدیک علم معاملہ فرض ہے۔

علم کی ایک قسم شرعی اور غیر شرعی بھی ہے۔ شرعی وہ علوم ہیں جو انبیاء علیھم السلام کے ذریعے ہم تک پہنچے۔ عقل' تجربے اور سماعت کا ان میں کوئی دخل نہیں۔ علم حساب' علم طب' علم لغت شرعی علوم نہیں' کیونکہ ان میں سے پہلے کا عقل سے' دوسرے کا تجربہ سے اور تیسرے کا سماع سے تعلق ہے۔ غیر شرعی علوم کی تین قسمیں ہیں:

(۱) پسندیدہ علوم (۲) ناپسندیدہ علوم (۳) مباح علوم۔

پسندیدہ وہ علوم ہیں جن سے دنیاوی زندگی کی بھلائیاں وابستہ ہیں جیسے علم طب اور علم حساب' پارچہ بافی' زراعت اور سیاست وغیرہ۔

ناپسندیدہ علوم یہ ہیں: (۱) جادوگری (۲) شعبدہ بازی وغیرہ۔

مباح علوم یہ ہیں: (۱) شعروشاعری اگر وہ اخلاق سوز نہ ہو (۲) تاریخ

علوم شرعیہ چار قسم کے ہیں:

(۱) کتاب اللہ (۲) سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (۳) اجماع امت (۴) آثار صحابہؓ ہے

علم اور ابن رشد:

ابن رشد کے مطابق علم حواس سے بھی حاصل ہوتا ہے اور عقل سے بھی۔ حواس کی وساطت سے جزئیات کا علم حاصل ہوتا ہے اور عقل سے کلیات کا ادراک ہوتا ہے۔ پہلی قسم کا علم حیوانات کو بھی حاصل ہے' انسان دونوں اقسام کے علوم سے بہرہ ور ہے یعنی انسان کو جزئیات کا علم بھی حاصل ہے اور کلّیات کا بھی۔ اللہ تعالیٰ کا علم غیر زمانی' آفاقی اور کلّی نوعیت کا ہے' انسان جس چیز کا علم حاصل کرتا ہے وہ موجود ہوتی ہے اور خدا جس چیز کا علم رکھتا ہے اسے تخلیق بھی کرتا ہے' خدا کے ہاں علم اور تخلیق ایک ہی عمل کے دو مختلف نام ہیں۔ ابن رشد کے نزدیک عقلی علوم کی دو اقسام ہیں: نظری اور عملی۔ نظری علوم سے مراد ہے مجرد تصورات اور کلیات کا علم جو عقل فعال کے ساتھ رابطے کی بنا پر حاصل ہوتا ہے' عقل فعال کو واھب الصور یعنی تصورات بخشنے والی قوت بھی کہا جاتا ہے۔ عملی علم سے مراد وہ علم ہے جس کی بدولت ہم مختلف فنون میں مہارت حاصل کرتے ہیں اور زندگی کو بہتر انداز سے گزارنے کی قابلیت پیدا کرتے ہیں۔ معاشرے کی مادی ترقی کے علاوہ اخلاقی اقدار کا تصور بھی عملی علم ہی سے متعلق ہے۔

علم اور عنصر المعالی کیکاؤس:

عنصر المعالی کیکاؤس علم و دانش کے بارے میں فرماتے ہیں کہ سقراط کا قول ہے کہ حکمت سے بہتر کوئی دولت نہیں اور بد خلقی سے بدتر کوئی دشمن نہیں، دنیا میں سلامتی، علم و ہنر سے ہے اور تمام نیکیوں کا سرمایہ دانش ہی ہے۔ اگر تم تمام دنیا کا بھی علم حاصل کر لو پھر بھی خود کو سب سے زیادہ نادان سمجھو کیونکہ انسان اسی وقت دانا بنتا ہے جب اسے اپنی نادانی کا ادراک حاصل ہو جاتا ہے۔ بوشکور بلخی نے کیا خوب کہا ہے کہ میری دانش اس حد تک ہے کہ میں اتنا جانتا ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتا۔

تا بدانجا رسید دانش من   کہ بدانم ھمی کہ نادانم ۵

علم اور خواجہ عبداللہ انصاریؒ:

خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ علم وہ ہے جو دلیل پر قائم ہو اور جہالت کو دور کر دے اور اس کے تین درجے ہیں: پہلا درجہ علم جلی کا ہے اور یہ علم مشاہدے سے، قابل اعتماد نقل و روایت سے یا صحیح تجربہ سے حاصل ہوتا ہے، گویا علم دید، شنید اور چشید ہے۔ دوسرا درجہ علم خفی کا ہے کہ جو اسرار میں اگتا ہے اور ریاضت کی آبیاری سے پھلتا پھولتا ہے، یہ علم بلند ہمت لوگوں کے نفس میں پرورش پاتا ہے۔ تیسرا درجہ علم کا وہ ہے جو حق کی جانب سے عطا ہوتا ہے، جسے علم لدنیؔ کہتے ہیں۔ خداوند تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کو حکمت عطا کی گئی اس کو خیرِ کثیر بخشی گئی ہے۔ حکمت سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو اس کی اصلی جگہ پر قائم کرنا، اور اس کے تین درجے ہیں: پہلا درجہ یہ ہے کہ ہر چیز کو

اس کا حق دے اور اس کی حد سے نہ گزرے' دوسرا درجہ یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے عدل کو اس کے حکم میں پہچانے اور تیسرا درجہ یہ ہے کہ اپنے استدلال میں بصیرت اور اپنے اقوال میں حقیقت اور اپنے اشارات میں مقصدیت رکھے۔[۶]

علم اور موید الدین جندیؒ:

موید الدین جندیؒ فرماتے ہیں کہ علم ذات الٰہی کا نور ہے' اشیاء کی حقیقت کامل طور پر جاننا اس نور ہی سے ممکن ہے۔ اس نور کی ایک حقیقت ہے' ایک روح ہے اور ایک صورت ہے۔ یوں حق تعالیٰ کو عالم' علیم اور علاّم کہا جاتا ہے یعنی نور علم کی صورت کے حوالے سے وہ عالم ہے' نور علم کی روح کے حوالے سے وہ علیم ہے اور نور علم کی حقیقت کے حوالے سے وہ علاّم ہے۔ عالم سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اشیا کے وجود میں آنے کے بعد ان کا علم ہے یعنی وہ عالم الغیب والشہادہ ہے۔ علیم سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان اللہ بکل شی علیم کے مطابق اشیاء کے وجود میں آنے کا علم ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کا کامل علم رکھتا ہے۔ علاّم سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اشیا کے وجود میں آنے سے پہلے ان کا علم ہے یعنی وہ علاّم الغیوب ہے ـــــــ وہ علم جس کا تعلق تعلم و تکسب یعنی درس و تدریس سے نہیں وہ لدنیؔ ہے اور جو تعلم و تکسب سے حاصل ہوتا ہے اسے کسبی کہتے ہیں۔ وہ علم جس کا تعلق ممکنات سے ہے وہ علم کونی ہے اور جس کا تعلق ممکنات سے نہیں حق سے ہے' اسے علم الٰہی کہتے ہیں۔[۷]

علم اور ابونجیب سہروردیؒ:

ضیاء الدین ابونجیب سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے تمام مشائخ نے علم کو عقل سے افضل جانا ہے کیونکہ خداوند تعالیٰ علم سے موصوف ہے اور دوسرے یہ کہ علم عقل پر حاکم ہے' عقل علم پر حاکم نہیں ہے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ علم بغیر عقل کے بے فائدہ ہے' اسی طرح عقل بھی بغیر علم کے بیکار ہے۔[8]

علم اور سعدیؒ:

سعدی شیرازیؒ فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں نے اپنی زندگی برباد کی اور ان کی تمام کوشش یا محنت اکارت گئی: ایک وہ جس نے دولت جمع تو کی لیکن اسے اپنے لیے خرچ نہ کیا' دوسرے وہ شخص جس نے علم تو سیکھا لیکن اس کے مطابق عمل نہ کیا ـــــ علم درحقیقت دین کو پانے کے لیے ہے نہ کہ دنیا کو حاصل کرنے کے لیے۔ یعنی علم کا مقصد حصول دین ہے نہ کہ حصول دنیا' دو آدمی ملک و دین کے دشمن ہیں: ایک بادشاہ بے حلم اور دوسرا زاہد بے علم ـــــ کسی بزرگ سے لوگوں نے پوچھا کہ دائیں ہاتھ کی بڑی فضیلت ہے اس کے باوجود انگوٹھی بائیں ہاتھ میں پہنتے ہیں۔ اس نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں؟ کہ اہل فضیلت ہمیشہ محروم رہتے ہیں[9]

علم اور سید نجم الدین محمود مؤلف مناہج الطالبین:

نجم الدین محمودؒ مناہج الطالبین کے مصنف فرماتے ہیں کہ مفید علم وہ ہے جو انسان کو دنیا اور اس کے متعلقات کے خطروں سے رہائی اور نجات عطا کرے اور

معرفت کی راہ اور آخرت کے راستے کی سعادت اور ہدایت کے لیے اسے تیار کرے۔ اس علم کی تین قسمیں ہیں: ایک علم ظاہر' دوسرا علم باطن' تیسرا وہ علم جو ظاہری اور باطنی دونوں علوم پر مشتمل ہے۔ البتہ علم ظاہر وہ ہے جو قرآن وسنت کی ظاہری تفسیر سے حاصل کیا جاتا ہے جس پر اسلام کے ارکان اور اس کی حدود مبنی ہیں اور علم باطن انسان کے دل کی کیفیات کا علم ہے ___ علم کی پہلی قسم احکام دنیا اور معاملات عوام سے تعلق رکھتی ہے جس سے مراد میزان' عدل اور حجت حق ہے' اس علم کے جاننے والوں کو علما یا فقہا کہتے ہیں' علم کی دوسری قسم کا تعلق آخرت سے ہے اور جس کے جاننے والے حکما' مشائخ' محققان علم طریقت و پیران حقیقت کہلاتے ہیں۔ علم کی تیسری قسم وہ ہے جس میں ان دونوں اقسام کے احکام کے اصول شامل ہیں اور وہ معرفت کا مقام ہے جس کے جاننے والوں کو عرفا' خاصان خدا اور برگزیدگان حق کہتے ہیں ___ حضرت عیسیٰؑ سے روایت ہے کہ علما کی تین قسمیں ہیں' ایک عالم باللہ و عالم بامر اللہ' دوسرا عالم **باللہ لیس عالم بامر اللہ**' تیسرا عالم **بامر اللہ لیس عالم باللہ**۔ وہ لوگ جو عالم باللہ اور بامر اللہ ہیں علوم ظاہر و باطن کے جامع ہوتے ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پاس بیٹھنے کا حکم دیا ہے اور جو عالم باللہ تو ہیں لیکن عالم بامر اللہ نہیں ہیں وہ حکما ہیں' اور بعض اولیا اور محققین ہیں جن کے پاس علم ظاہر نہیں ہوتا اور وہ لوگ جو عالم بامر اللہ تو ہیں لیکن عالم باللہ نہیں ہیں وہ علمائے ظاہر ہیں جن کا علم امر و نہی اور حلال و حرام پر مبنی ہے' جو نہ اجتہاد کرتے ہیں اور نہ معرفت حق کو طلب کرتے

ہیں۔ حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایمان زبان کے قول کا نام ہے' معرفت کا تعلق قلب سے ہے اور عمل کا تعلق ارکان واعضاء سے ہے۔[۱۰]

علم اور عزالدین کاشانیؒ:

عزالدین کاشانیؒ فرماتے ہیں علم وہ نور ہے جو نبوت کے چراغ سے ماخوذ ہے اور مومن کے دل میں ہوتا ہے جس کے ذریعے سے وہ خدا یا افعال خدا یا احکام خدا کی شناخت حاصل کرتا ہے' یہی علم انسان کا وصف خاص ہے اور ادراکات حسی اور عقلی اس سے خارج ہیں یعنی عقل اور حواس کا اس علم سے تعلق نہیں' یہ ان سے برتر ہے۔ اس علم اور عقل کے درمیان فرق یہ ہے کہ عقل ایک فطری نور ہے کہ جس کے ذریعے سے انسان نیکی کو برائی سے اور خیر کو شر سے ممتاز کرتا ہے اور یہ صفت مومن اور کافر میں مشترک ہے لیکن علم مومنوں کے لیے مخصوص ہے۔ وہ علم جو مومن و کافر میں مشترک ہے وہ عقل ہے جو امور دنیاوی کی اچھائی اور برائی میں فرق کرتی ہے اور یہ عقل مومن میں بھی ہوسکتی ہے اور کافر میں بھی لیکن وہ عقل جو آخرت کی اچھائی اور برائی میں تمیز کرتی ہے وہ مومنوں کے لیے مخصوص ہے۔ مومن اور اس علم یا عقل میں ایک لازمی رشتہ موجود ہے کہ اس عقل کی آنکھ ہدایت کے نور سے منور ہے اور شریعت کے سر سے آراستہ ہے۔ عقل اپنی ذات میں تو ایک ہے لیکن دو چہرے رکھتی ہے: ایک وہ جس کا رخ خدا کی طرف ہے' اس سے مراد وہ عقل ہدایت ہے جو مومنوں کے لیے مخصوص ہے' دوسرا چہرہ وہ جس کا رخ مخلوق کی جانب ہے' یہ عقل مشترک ہے' اسی کو عقل معاش بھی

کہتے ہیں۔ اہلِ ایمان اور طالبانِ حق کی عقلِ معاش، عقلِ ہدایت کے تابع ہوتی ہے [۱۱]۔ علم کی تین قسمیں ہیں: ایک علم توحید ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ فَاعْلَمْ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (سورہ ۴۷ آیت ۱۹) دوسرا علم معرفت کارخدا یعنی ثواب وعقاب، حشر ونشر، موت وحیات، معدوم وموجود، قرب وبعد کو جاننا ہے۔ تیسرا علم احکام شریعت یعنی اوامر ونواہی کا علم ہے۔ ان تینوں راستوں پر چلنے والوں کے نام بھی علیحدہ ہیں۔ پہلی راہ پر چلنے والے کو عالم ربّانی کہتے ہیں، دوسرے کو عالم اخروی اور تیسرے کو عالم دنیوی۔ کوئی شخص علمائے ربّانی اور علمائے اخروی سے بہتر نہیں اور کوئی شخص علمائے ظاہری سے بدتر نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ان خیر الخیر خیار العلماء وان شر الشر شرار العلماء کسی صوفی کا قول ہے کہ جس نے دنیا کے لیے علم حاصل کیا وہ کافر ہے، جس نے بحث کے لیے علم حاصل کیا وہ منافق ہے اور جس نے اللہ کے لیے علم حاصل کیا وہ مومن ہے۔ [۱۲]

علم اور ملا محمد حسین خبّاز کشمیری:

ہدایت الاعمیٰ کے مصنف ملا محمد حسین خباز کشمیری نے علما کی تین اقسام بتائی ہیں:

(۱) عالم بیانی (۲) عالم عیانی (۳) عالم ربّانی یعنی صاحبان علم یقین، صاحبان عین الیقین اور صاحبان حق الیقین۔

عالم بیانی کی تین قسمیں ہیں مفسر، محدث اور فقیہ۔ عالم عیانی وہ لوگ ہیں جو علوم ظاہر حاصل کرتے ہیں اور پھر تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب سے معرفت حاصل کرتے

ہیں۔ عالم ربانی وہ شخص ہے جسے علم لدنیّ حاصل ہو، جس کو علم اللہ حاصل ہو گیا وہ ملہم حق ہو گیا اور عالم ربّانی بن گیا۔ عالم ربّانی عالم عیانی سے بہتر ہے اور عالم عیانی عالم بیانی سے بہتر ہے اور جس کسی کو یہ تینوں علم حاصل ہو گئے وہ سب سے بہتر ہے، عالم بیانی دلائل سے اور عالم عیانی فضائل سے اور عالم ربّانی ترک وسائل سے سلوک کا راستہ طے کرتا ہے۔ عالم بیانی اس آیت پر غور کرتا ہے۔ یَذْکُرُونَ اللّٰہَ قِیاماً وَّ قُعُوْدًا (سورہ ۳، آیت ۱۹۱) اور عالم عیانی اس آیت پر فکر کرتا ہے اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالاَرْض (سورہ ۷، آیت ۱۸۵) عالم ربّانی اس کلمے سے آگے نہیں بڑھتا قُلِ اللّٰہُ ثُمَّ ذَرْھُمْ فِیْ خَوضِھِمْ یَلْعَبُوْن (سورہ ۶، آیت ۹۲) عالم بیانی کا معلم انسان ہے جس سے وہ حق و باطل کی پہچان حاصل کرتا ہے، اس سے اخلاق ذمیمہ دور نہیں ہوتے اور حرص و ہوا، کبر وریا دل میں باقی رہتے ہیں۔ عالم عیانی کا معلم فرشتہ ہے، فرشتہ کی تعلیم سے وہ اخلاق ذمیمہ سے پاک ہو جاتا ہے اور تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب اور تجلیۂ روح پالیتا ہے اور حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری و باطنی پیروی کرتا ہے اور عالم ربّانی کا معلم خود اللہ تعالیٰ ہے (جیسا کہ فرمان حق ہے) لاعِلْمَ لَنا اِلّا ما عَلَّمْتَنا (سورہ ۲، آیت ۳۲) عَلَّمَ الاِنسانَ مالَم یَعْلَم (سورہ ۹۶، آیت ۵) عَلَّمَکَ مالَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ (سورہ ۴، آیت ۱۱۳) ــــــ عالم ربّانی اس علم کے ذریعے سے حق تعالیٰ کا حقیقی علم حاصل کرتا ہے اور ان چیزوں کو جانتا ہے جسے کوئی شخص نہیں جانتا اور ان چیزوں کو دیکھتا ہے جسے کوئی شخص نہیں دیکھتا۔ عالم ربّانی قرآنی اسرار کو جانتا ہے اور اسرار حدیث سے

بھی واقف ہے' وہ حکمت شریعت کا بھی علم رکھتا ہے اور یہ بات بغیر الہام ربّانی حاصل نہیں ہوتی' چنانچہ حضرت بایزید بسطامیؒ سے چند دانشوروں نے پوچھا کہ آپ کو یہ حکمت کی باتیں اور اسرار کس نے سکھائے' انہوں نے فرمایا کہ تم مُردوں سے علم حاصل کرتے ہو اور میں نے اس زندہ سے علم حاصل کیا جو کبھی فنا نہیں ہوتا یعنی خداوند تعالیٰ۔

حضرت فُضَیل عِیاضؒ کا قول ہے کہ تین چیزیں اس دنیا میں ناپید ہیں: ایسا عالم جو ہمیشہ اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہو اور ایسا عامل جو ہمیشہ اخلاص کے ساتھ عمل کرتا ہو اور ایسا دوست جس میں کوئی خامی نہ ہو____ حضرت ابوبکر ورّاقؒ کا قول ہے کہ آدمیوں کی تین قسمیں ہیں: ایک علما' دوم امرا' سوم فقرا۔ جب علما تباہ ہو جاتے ہیں تو دین ناقص ہو جاتا ہے' جب امرا تباہ ہو جاتے ہیں تو ملک کی معیشت تباہ ہو جاتی ہے اور جب فقرا تباہ ہو جاتے ہیں تو زہد و تقویٰ مٹ جاتے ہیں۔ علما کی تباہی کا سبب دنیا داری' امرا کی تباہی کا سبب ظلم و ستم' اور فقرا کی تباہی کا سبب ترک طاعت حق اور مخالفت رضائے حق ہے۔ ابوبکر ورّاق ہی کا قول ہے کہ علما کی تباہی طمع سے' امرا و سلاطین کی تباہی جور و ستم سے اور فقرا کی تباہی ریا سے ہوتی ہے۔ [۱۳]

تفکر اور صوفیہ:

صوفی نامہ کے مصنف اردشیر العبادیؒ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

اَوَلَم یَتَفَکَّرُوا (کیا انہوں نے غور نہیں کیا____ سورہ ۷' آیت ۱۸۴' سورہ ۳۰' آیت ۸)

اور فرمان رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ **تفکر ساعة خیر من عبادت ستین سنه.** ایک گھڑی غور وفکر کرنا ساٹھ سال عبادت کرنے سے افضل ہے) سفر کی دو قسمیں ہیں' چونکہ مقاصد بھی دو طرح کے ہیں۔ایک سفر قالب ہے جو عالم اسفل سے متعلق ہے اور اس کا مقصد اجسام و اشخاص و عبادات ہیں اور یہ سفر حرکت سے ہوتا ہے اور اس کا ذریعہ قدم ہے' لیکن دوسرا سفرِ دل ہے جو عالم اعلیٰ سے متعلق ہے' مسافر کی نظر میں آثار قدرت' ارواح اور مکنونات غیبی (یعنی اسرار غیب) ہیں اور یہ سفر تفکر سے ہوتا ہے اور اس کا ذریعہ بصیرت ہے۔

حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کی ذات اور اسکی صفات خاص کے بارے میں تفکر مت کرو۔ اس لیے کہ تفکر کا مرجع محدود' محصور و متکثر (کثیر) ہونا چاہیے تاکہ اس کے بارے میں تفکر کرنا ممکن بھی ہو اور حقیقت کو بھی پایا جا سکے (ذات حق محدود محصور و متکثر نہیں' وہ ان سے پاک و برتر ہے سو ذات حق کے بارے میں تفکر ممکن نہیں) اسی لیے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تفکر کو صنعت خداوندی اور افعال الٰہی تک محدود کیا ہے اور فرمایا کہ **تفکروا فی آلا اللہ ولا تفکروا فی اللہ** یعنی اللہ کی ذات کے بجائے اللہ تعالیٰ کی صنعتوں میں غور وفکر کرو ___ قرآن فرماتا ہے کہ يَتَفَكَّرُونَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلاً . (آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں غور کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب آپ نے اسے لایعنی پیدا نہیں کیا) (سورہ ۳' آیت ۱۹۱)۔صوفی (سالک)

تفکر سے اپنے اطوار کا مطالعہ کرتا ہے اور جس چیز کے بارے میں تفکر کرتا ہے، شریعت کے مطابق کرتا ہے اور علم وعمل کا سرمایہ حاصل کرتا ہے اور معانی کے بازار میں تفکر کی تجارت کرتا ہے' اور اس تفکر کی تجارت کو لٹیروں سے یعنی غرور اور ریا سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے ___ بقول امام غزالیؒ حضرت عیسیٰؑ سے لوگوں نے پوچھا' یاروح اللہ روئے زمین پر کوئی اور بھی آپ کی مانند ہے' فرمایا' جس کا کلام ذکر' خاموشی فکر اور نظر عبرت ہو وہ میری مانند ہے[۱۴] ___ ایک صوفی کا قول ہے کہ روشن فکر وہ ہے جو جہان شناس ہو اور روشن طبع وہ ہے جو خود شناس ہو' روشن دل وہ ہے جو خداشناس ہو اور سچا عارف وہ ہے جو خداشناس بھی ہو' خودشناس بھی اور جہان شناس بھی۔

معرفت اور صوفیہ:

کہا جاتا ہے کہ معرفت کسی شے کی حقیقت کا احاطہ کرنا ہے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ معرفت دو طرح کی ہے۔ (۱) معرفت حق (۲) معرفت حقیقت ___ معرفت حق سے مراد اللہ تعالیٰ کی یگانگت کا عرفان ہے۔ معرفت حقیقت سے مراد حقیقت ذات کا عرفان ہے جو ناممکن ہے کہ فرمان حق ہے وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا (سورہ ۲۰' آیت ۱۱۰)۔ خدا کو عالم کہا جاتا ہے عارف نہیں کہتے' کہ عرفان کے معنی نہ جاننے کے بعد جاننا ہے اور خداوند تعالیٰ کا علم ازلی ہے' اسی طرح عرفان وایمان میں بھی فرق کیا جاتا ہے' کتاب اللمع میں ہے کہ عرفان نار ہے اور ایمان نور ہے' مومن خدا کے نور کو دیکھتا ہے

اور عارف خدا کو دیکھتا ہے___ کسی نے حضرت محمد واسع ؒ سے سوال کیا کہ آپ خدا کو پہچانتے ہیں؟ کچھ دیر خاموش رہے اور پھر فرمایا کہ جس نے خدا کو پہچان لیا وہ خاموش اور ہمیشہ کیلیے حیران ہوگیا۔صوفیہ کہتے ہیں کہ عقل سے عالم روحانی کے حقائق نہیں جانے جاسکتے۔عقل ان حقائق کو صرف اسی حد تک جان سکتی ہے جس حد تک عقل طب یا حساب کے مسائل حل کرسکتی ہے۔سو روپے کلو بالوشاھی دو سو روپے میں کتنی آئے گی' یہ حساب کا سوال حل کرنے سے بالوشاھی کا ذائقہ حاصل نہیں ہوتا۔آنکھ مشک کے رنگ سے لطف اندوز ہوسکتی ہے لیکن اس کی خوشبو تک اس کی رسائی نہیں ہوتی۔سو عقل عالم روحانی کا کماحقہ' ادراک کرنے سے قاصر ہے___ حضرت شیخ الاسلام ابو اسماعیل ہرویؒ کی نظر میں معرفت کے تین درجے ہیں: ایک عوام کی معرفت ہے۔دوم معرفت صفات حق ہے جس کا اظہار نبیوں نے کیا ہے۔سوم اخص الخواص کی معرفت ہے کہ خدا اپنی معرفت کا نور عارف پر ڈال دے اور وہ اس نور میں گم ہوجائے یہی مقام جمع ہے___ حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ معرفت تین قسم کی ہے: ایک معرفت توحید ہے' جو تمام مومنوں کو حاصل ہے' ایک معرفت حجت و بیان ہے جو علما اور دانشوروں کو حاصل ہے' تیسری معرفت صفات وحدانیت ہے اور یہ اہل اللہ کو حاصل ہے۔آپ کا قول ہے کہ انسان جتنی زیادہ معرفت رکھتا ہے اتنی ہی زیادہ وہ حیرت بھی رکھتا ہے۔عارف دیکھتا ہے بغیر آنکھ کے' بغیر علم کے' بغیر خبر کے' بغیر وصف کے' بغیر کشف کے اور بغیر حجاب کے۔عارفوں کی بات خدا کی بات ہوتی ہے

اوران کی نگاہ خدا کی نظر ہوتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کو دوست بنالیتا ہے تو وہ اس کے کان بن جاتا ہے' اس کی آنکھ بن جاتا ہے' اس کی زبان بن جاتا ہے اوراس کے ہاتھ بن جاتا ہے ____ ایک دن کسی نے حضرت شبلیؒ سے پوچھا کہ عارف کون ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جو مچھر کو بھی اٹھا نہ سکے' ایک اور دن اس نے وہی سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ عارف وہ ہے جو ساتوں آسمانوں کو اپنی ایک پلک پر اٹھالے۔ اس نے کہا کہ پہلے آپ نے کچھ اور کہا تھا اب آپ کچھ اور کہہ رہے ہیں! آپ نے فرمایا اس وقت ہم ہم تھے' اب ہم وہ ہیں۔ انہی کا قول ہے کہ معرفت کا آغاز اللہ ہے اوراس کی انتہا کوئی نہیں۔ شبلیؒ ہی کا قول ہے کہ عبارت علم کی زبان ہے اوراشارت معرفت کی زبان ہے۔ یہ اس حقیقت کا اظہار ہے کہ علم کسی چیز کی حقیقت کو عبارت میں بیان کر دیتا ہے لیکن معرفت میں کسی چیز کی تعریف صرف متشابہ الفاظ یعنی اشارات میں بیان کی جاسکتی ہے۔ اسی حوالے سے حضرت ابوعلی دقّاقؒ کے بارے میں عبداللہ انصاریؒ نے کہا تھا۔ کہ ''چون سخن او عالی شد مجلس او خالی شد'' یعنی جب ابوعلی دقاقؒ اپنی مجلس میں عرفان وتصوف کے مطالب عالی بیان کرنے لگے تو ان کی مجلس لوگوں سے خالی ہونے لگی۔ یعنی لوگ مجلس میں کم آنے لگے۔ حضرت ذوالنونؒ کا قول ہے کہ عرفان کا پہلا درجہ تحیر ہے' اس کے بعد افتقار' اس کے بعد اتصال' اس کے بعد حیرت ہے ____ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں کہ معرفت سے مراد ہے کسی چیز کی حقیقت تک رسائی پالینا اور اس کے تین درجے ہیں' پہلا درجہ

صفات کا عرفان ہے' دوسرا درجہ ذات کا عرفان' تیسرا درجہ معرفت کا ہے' یعنی عارف صرف تعریف میں مستغرق ہو بغیر دلیل و وسیلے کے ___ لوگوں نے حضرت ذوالنون مصریؒ سے پوچھا کہ آپ نے خدا کو کیسے پہچانا؟ فرمایا خدا کو خدا سے پہچانا اور مخلوق کو حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے' یعنی خدا خالق ہے' خالق کو خالق ہی سے پہچانا جا سکتا ہے اور خدا کا نور مخلوق ہے اور مخلوق کی اصلیت نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے پس مخلوق کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے پہچانا۔ حضرت ابو عباس قصابؒ نے شیخ ابو سعید ابوالخیرؒ سے کہا کہ اگر لوگ تم سے پوچھیں کہ تم خدا تعالیٰ کو پہچانتے ہو؟ تو یہ مت کہو کہ میں پہچانتا ہوں کہ یہ شرک ہے اور یہ بھی مت کہو کہ میں نہیں پہچانتا کہ یہ کفر ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ مجھے خداوند تعالیٰ نے اپنے کرم سے اپنی ذات کی معرفت عطا کی ہے۔ اردشیر العبادیؒ فرماتے ہیں جس انسان کے وجود میں معرفت کا کوئی حصہ نہیں وہ انسان بھی نہیں۔ معرفت مصنوع سے صانع کی جانب راہنمائی کرتی ہے یعنی مصنوع کی معرفت سے صانع کی معرفت پیدا ہوتی ہے۔ جیسا کہ صدیق اکبرؓ فرماتے ہیں کہ "عرفت الله بالله و عرفت مادون الله بنور الله" میں نے اللہ کو اللہ کے ذریعے پہچانا اور ماسوائے اللہ کو اللہ کے نور سے پہچانا ۱۵؎ ___ خدا کی معرفت نفس کی معرفت سے بھی وابستہ ہے جیسا کہ کہتے ہیں۔ من عرف نفسه فقد عرف ربه ۱۶؎ ___ احمد بن عاصم الانطاکیؒ فرماتے ہیں کہ جو جتنا زیادہ عرفان حق رکھتا ہے اتنا ہی زیادہ حق سے ڈرتا ہے۔ انہی کا قول ہے کہ اہل عرفان دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں ان کی محفل میں

بیٹھوتو صدق دل کے ساتھ بیٹھو____ دانشورانِ دھر کہتے ہیں کہ حکمرانوں کی محفل میں بیٹھوتو آنکھوں کا خیال رکھو' اگر علما کی محفل میں بیٹھوتو زبان کا خیال رکھواور اگر عارفین کی محفل میں بیٹھوتو دل کا خیال رکھو۔

معرفت کی مختلف قسمیں ہیں: کچھ لوگ عقل سے' کچھ لوگ دلیل سے اور کچھ لوگ توفیق الٰہی سے معرفت حاصل کرتے ہیں____ شیخ نجم الدین رازیؒ فرماتے ہیں معرفت کی تین قسمیں ہیں: معرفت عقلی' معرفت نظری اور معرفت شہودی' معرفت عقلی عوام کی معرفت ہے' اس میں کافر اور مسلمان یہود و نصاریٰ ملحد و فلسفی' فطرت پرست اور دہریئے سب ہی شامل ہیں۔ کیونکہ یہ سب لوگ عقل میں برابر ہیں اور وجود الٰہی پر متفق ہیں۔ اس قسم کی معرفت نجات کا سبب نہیں چونکہ معرفت عقلی حواس ظاہری اور حواس باطنی سے حاصل کی جاتی ہے۔ عقل اور دلائل عقل دونوں مخلوق ہیں لیکن کبھی بھی مخلوق نہ خالق تک پہنچ سکتی ہے نہ اس کا عرفان حاصل کرسکتی ہے۔ معرفت نظری خاص لوگوں کی معرفت ہے اور وہ یوں ہے کہ جب روح کا بیج بشریت کی زمین میں قانون شریعت کے مطابق پرورش پاتا ہے' شجر انسانی کی طرح پھل دار بن جاتا ہے تو پھل میں وہ خاصیت جو بیج میں تھی عود کر آتی ہے بلکہ اس میں اضافہ بھی ہوجاتا ہے پس روح کو بہت سے نئے ذرائع حاصل ہو جاتے ہیں جو حواس ظاہری اور حواس باطنی میں موجود نہیں تھے۔ معرفت شہودی جب سعادت کے دروازے سے داخل ہوتی ہے اور روح کے بیج کو طریقت اور شریعت کے قانون کے مطابق پرورش

دیتی ہے اور اسے کمال تک پہنچاتی ہے تو جو کچھ ملک وملکوت و جبروت و لاہوت میں ہے عارف اس کو بلکہ تین سو ساٹھ ہزار عالموں کو ظاہری و باطنی ادراکات کے ذریعے سے درک کرتا ہے۔

مناھج الطالبین کے مصنف کہتے ہیں کہ اس آیت کے مطابق ''مَاقَدَرُوااللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ'' (سورہ۶' آیت۹۱) کہ کوئی شخص ذات حق کی معرفت کی حقیقت کو نہیں پاسکتا اور ہر ایک لااحصی ثناء علیک کی ندا دے رہا ہے (کہ میں تیری تعریف کماحقہ نہیں کرسکتا) اور العجز عن درک الادراک ادراک' (کہ اس کے جاننے سے عاجز رہنا ہی اس کا جاننا ہے) کے مطابق اعتبار کررہا ہے اور سبحان من لا یعلم ماھو الاھو' (یعنی وہ پاک ذات ہے اسے سوائے اس کے کوئی نہیں جانتا) کہہ رہا ہے۔

حضرت جنیدؒ نے فرمایا تھا کہ ہم نے تصوف قیل وقال سے نہیں بلکہ قطع مالوفات اور ترک مستحسنات سے حاصل کیا ہے' کسی کا قول ہے کہ معرفت تین اقسام کی ہے' (۱) نعمت کو پہچاننا (۲) نعمت دینے والے کو پہچاننا (۳) دشمنِ نعمت کو پہچاننا۔ نعمت کی پہچان سے شکر پیدا ہوتا ہے اور شکر سے نعمت زیادہ ہوتی ہے جیسا کہ فرمان حق تعالیٰ ہے لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ (سورہ۱۴' آیت ۷) نعمت دینے والے کی شناخت سے دوستی پیدا ہوتی ہے اور دشمن نعمت (شیطان) کی پہچان سے خوف پیدا ہوتا ہے اور خوف سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے اور تقویٰ سے معرفت حاصل ہوتی ہے۔

کسی کا قول ہے کہ عرفان چار قسم کا ہے: ایک عرفان دنیا کا کہ اسے فانی سمجھا جائے' ایک عرفان عقبیٰ کا کہ اس کو باقی سمجھا جائے' ایک عرفان بدن کا کہ اسے خطا کا پُتلا سمجھا جائے اور ایک عرفان مولا کا کہ اسے محبوب سمجھا جائے۔ایک بزرگ کا قول ہے کہ عارف کی تین علامتیں ہیں' اس کا دل فکر میں مشغول رہتا ہے' بدن عبادت میں اور آنکھ عبرت میں مشغول رہتی ہے ___ حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ زاہد آخرت کے بادشاہ ہوتے ہیں اور عارف زاہدوں کے بادشاہ ہوتے ہیں ___ کہتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ سے کسی نے پوچھا کہ راہ طریقت میں سب سے بڑی دولت کیا ہے؟ فرمایا سعادت مادرزاد یعنی انسان کو فطری طور پر عرفان حق حاصل ہو' پوچھا اگر یہ نہ ہو؟ فرمایا گوش حق نیوش' پوچھا اگر یہ بھی نہ ہو؟ فرمایا دل دانا' پوچھا اگر یہ بھی نہ ہو؟ فرمایا چشم بینا' پوچھا اگر یہ بھی نہ ہو؟ فرمایا مرگ مفاجات۔[۱۷]

فراست وبصیرت اور صوفیہ:

فراست:

خداوند تعالیٰ کا فرمان ہے اِنَّ فِی ذَالِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِیْنَ' (سورہ ۱۵' آیت ۷۵) حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اتقوا فراست المؤمن فانه ينظر بنور الله فراست سے مراد یہ ہے کہ حکم غیبی سے بغیر استدلال کے اور بغیر تجربہ کے واقف ہونا اور اس کے تین درجے ہیں' ایک فراست وہ ہے جو کاہنوں سے ظہور میں آتی ہے' یہ فراست علم ودانش اور وجدان سے بے بہرہ ہوتی ہے۔ دوسرا درجہ

فراست کا یہ ہے کہ وہ درخت ایمان سے پھلتی پھولتی ہے اور نور کشف سے روشن ہوتی ہے۔ تیسرا درجہ فراست کا سِر یا راز ہے جو برگزیدگان حق کی زبان پر آتا ہے' کبھی رمزیہ طور سے اور کبھی تصریح کے ساتھ۔ فراست اور الہام میں یہ فرق ہے کہ فراست میں امور غیبی کا کشف چہرے کے نقوش پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے اور الہام وہ علم ہے جو خدا تعالیٰ بغیر کسی واسطے کے اولیا کے دلوں میں عالم غیب سے ڈال دیتے ہیں۔ الہام وحی کے تابع ہوتا ہے لیکن وحی الہام کی تابع نہیں ہوتی ____ وحی پر عمل کرنا فرض ہے اور الہام پر عمل کرنا فرض نہیں۔[۱۸]

معرفت کے بعد دل کے لیے کوئی حالت فراست سے بہتر نہیں۔ فراست ایک آئینہ ہے جسے حق تعالیٰ اپنے بندوں کے دل میں رکھتا ہے تا کہ اس آئینے میں حق تعالیٰ کا دیدار کر سکے۔ اسرار معرفت اور حقائق ربوبیت وہی شخص پا سکتا ہے جس کے دل میں فراست ہو گی۔ ارشاد حق ہے اِنَّ فِی ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَہٗ قَلْب"۔ (سورہ ۵۰' آیت ۳۷) یعنی اس میں ان کے لیے نصیحت بھی ہے اور عبرت بھی جو دل آگاہ رکھتے ہیں ____ حضرت واسطیؒ فرماتے ہیں کہ فراست وہ نور ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے انسان کے دل پر چمکتا ہے اور معرفت کی مدد سے اسرار حق کو پا لیتا ہے[۱۹] ____ شاہ کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ جو آدمی اپنی نظر کو محرمات سے بچائے اور اپنے باطن کو مراقبے سے آباد رکھے اور اپنے ظاہر کو سنت کی پیروی سے تربیت دے اور روٹی حلال کی کھائے' اس کی فراست کبھی غلط نہیں ہوتی۔[۲۰]

ملا حسین واعظ کاشفیؒ فرماتے ہیں کہ فراست کی دو قسمیں ہیں: ایک فراست شرعی ہے دوسری فراست حکمی۔ فراست شریعت سے مراد یہ ہے کہ جب تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب کے ذریعے سے غفلت کے پردے بصیرت کی آنکھ سے دور ہو جاتے ہیں تو مومن نور یقین سے بینا ہو جاتا ہے۔ خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ ایک روز معرفت کے باب میں گفتگو فرما رہے تھے، اچانک ایک نوجوان آپ کی مجلس میں آیا جو شکل وصورت سے زاہد نظر آتا تھا اس نے خرقہ پہنا ہوا تھا اور مصلیٰ کندھے پر ڈالا ہوا تھا، یہ نووارد ایک گوشے میں آ کر بیٹھ گیا اور کچھ دیر کے بعد اٹھا اور کہنے لگا حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ اتقوا فراست المومن فانه ینظر بنور الله اس حدیث کا رمز کیا ہے۔ حضرت خواجہ نے فرمایا کہ اس حدیث پاک کا رمز یہ ہے کہ تو زنار کو توڑ ڈالے گا اور ایمان لے آئے گا یعنی مسلمان ہو جائے گا۔ اس نوجوان نے کہا نعوذ باللہ میرے پاس زنّار نہیں ہے، خواجہ بزرگ نے اپنے خادم کو اشارہ کیا کہ اس نوجوان کے جسم سے خرقہ اتارے۔ جب خرقہ اتارا گیا تو اس کے نیچے سے زنّار نکلی، اس نوجوان نے فوراً زنّار توڑ ڈالی اور ایمان لے آیا۔ حضرت خواجہ نے فرمایا اے دوستو! آؤ اس نومسلم کی موافقت پر جس نے ظاہری زنار توڑی ہے ہم باطنی زنار کو پارہ پارہ کر دیں۔ اہل مجلس میں ایک شور پیدا ہوا اور سب نے حضرت خواجہ کی پیروی میں تجدید توبہ کی ___ دوسری قسم جو فراست حکمی ہے وہ یوں ہے کہ حکما تجربے سے اسے حاصل کرتے ہیں، نوشیروان کے عہد کے حکما نے اس کے لیے فراست کا ایک رسالہ

بھی تالیف کیا تھا۔

ایک عیسائی نے روم میں یہ سنا تھا کہ مسلمان بڑے صاحبِ فراست ہوتے ہیں وہ بطورِ امتحان حضرت شیخ ابوالعباس نہاوندیؒ کی خدمت میں آیا۔ شیخ کو اس کی آمد کی اطلاع ہوئی کچھ نہیں کہا' اس کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ چار مہینے وہاں وہ ٹھہرا رہا' چار مہینے کے بعد جب رخصت ہونے کے لیے شیخ کے پاس آیا' شیخ نے آہستہ سے اس کے کان میں کہا کہ یہ جوانمردی نہیں ہے کہ تم آؤ' درویشوں کے ساتھ نان ونمک کھاؤ' ان کی مجلسوں میں بیٹھو اور پھر آخر میں جیسے آئے ہو ویسے ہی چلے جاؤ یعنی بیگانے آئے ہو اور بیگانے چلے جاؤ۔ یہ سن کر وہ عیسائی سکتے میں آ گیا اور مسلمان ہو گیا اور وہ مقام ومرتبہ پایا کہ شیخ کی وفات کے بعد شیخ کا خلیفہ بن گیا۔

شیخ ابومسلم فارس بن غالب انصاریؒ ایک دفعہ شیخ ابوسعید ابوالخیر فضل اللہ بن محمدؒ سے ملنے آئے' دیکھا کہ آپ تخت پر چار تکیے لگائے لیٹے ہوئے ہیں اور ایک مصری چادر اوڑھ رکھی ہے جبکہ خود ابومسلمؒ کے کپڑے پسینے اور میل کی وجہ سے چمڑے کی طرح سخت ہو رہے تھے' جسم تکلیف سے سوکھا ہوا تھا۔ چہرے کا رنگ ریاضت سے زرد تھا۔ دل میں کراہت پیدا ہوئی اور سوچا میں بھی درویش ہوں یہ بھی درویش ہے' اسے اس قدر آرام میسّر ہے اور میں مشقت سے نڈھال ہو رہا ہوں۔ شیخ ابوسعیدؒ نے فراست سے شیخ ابومسلمؒ کے باطن کی کیفیت کو بھانپ لیا اور فرمایا ''اے ابومسلمؒ تم نے کس کتاب میں پڑھا ہے کہ خود بین بھی درویش ہوتا ہے؟ سنو میں نے صرف حق تعالیٰ کو

دیکھا اور حق تعالیٰ نے مجھے تخت پر بٹھایا' تم نے صرف اپنے آپ کو دیکھا سو بجز خاک نشینی کے کچھ نہ پایا۔ ہمارے نصیب میں مشاہدہ ہے اور تمہارے نصیب میں مجاہدہ۔

ایک درویش کا بیان ہے کہ ایک روز میں حضرت بوعلی دقاق ؒ کی مجلس میں گیا' دل میں خیال تھا کہ توکل کے بارے میں سوال کرونگا۔ وہ دستارِ طبری سر پر پہنے ہوئے تھے' میرے دل نے چاہا کہ یہ میں لے لوں' میں نے کہا یا استاد توکل کسے کہتے ہیں' آپ نے فرمایا توکل یہ ہے کہ لوگوں کی پگڑی کا لالچ مت کرو اور آپ نے فوراً اپنے سر سے پگڑی اتار کر میرے حوالے کر دی ___ شیخ ابوسعید ؒ سفر میں تھے' سخت سردی سے ان کے پاؤں سوج گئے تھے' ان کے ساتھ ایک مرید بھی تھا جس کے پاس ایک گرم چادر تھی' اس کے دل میں خیال آیا کہ یہ گرم چادر ان کے پاؤں پر لپیٹ دے تا کہ شیخ کے پاؤں سردی سے آرام پائیں۔ پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ یہ چادر بہت قیمتی ہے اسے شیخ کو دینا نہیں چاہیے۔ شیخ گھر پہنچ گئے' ایک روز مجلس میں اسی مرید نے سوال کیا کہ یا شیخ الہام اور وسوسہ میں کیا فرق ہے؟ شیخ نے فرمایا کہ میرے ساتھ سفر میں اپنی چادر میرے پاؤں پر لپیٹنے کا جو خیال تیرے دل میں آیا تھا' وہ الہام تھا اور وہ خیال کہ یہ چادر قیمتی ہے میرے پاؤں پر لپیٹنی نہیں چاہیے' وسوسہ تھا۔

حسن مؤدب حضرت شیخ ابوسعید ابوالخیر ؒ کے خادم خاص تھے ان کا بیان ہے کہ میں نیشاپور میں تھا جب شیخ کی شہرت سنی تو میں ان کی مجلس میں گیا۔ جب شیخ کی نظر مجھ پر پڑی تو فرمانے لگے "بیا کہ باسر زلفِ تو کارہا دارم" (یعنی آؤ مجھے تم سے

کام ہے) اور میں صوفیہ کا منکر تھا صوفیہ کو مانتا نہیں تھا' پس جب مجلس ختم ہوئی شیخ نے ایک درویش کے لیے کپڑے مانگے۔ میرے دل میں یہ بات آئی کہ اپنی پگڑی دے دوں لیکن پھر دل میں خیال آیا کہ اس کی دس دینار قیمت ہے' دوسری بار شیخ نے پھر کہا پھر میرے دل میں بات آئی' پھر تیسری بار شیخ نے درویش کے لیے کپڑوں کے لیے کہا' ایک شخص میرے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا اس نے پوچھا یا شیخ کیا خدا بھی بندوں سے باتیں کرتا ہے؟ شیخ ابوسعیدؒ نے فرمایا کہ ہاں کرتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے تین بار دستارِ طبری' کے لیے اس آدمی سے جو تمہارے پاس بیٹھا ہے کہا ہے کہ دے دو' وہ کہتا ہے کہ میں نہیں دیتا کہ اس کی قیمت دس دینار ہے۔ جب یہ بات میں نے سنی تو کانپ اٹھا' شیخ کی خدمت میں گیا' پگڑی حاضر کی' توبہ کی' سارا مال ومتاع شیخ کی خدمت میں لاکر رکھ دیا اور ان کی خدمت میں کمر بستہ ہوگیا۔

حضرت شیخ ابواسحاق شہریار کازرونیؒ ایک دن وعظ فرما رہے تھے' ایک عالم دین بھی مجلس میں تھا جب مجلس ختم ہوگئی وہ عالم دین شیخ کی خدمت میں آیا اور ان کے پاؤں پڑ گیا؟ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ اس نے کہا جب آپ تقریر فرما رہے تھے تو میرے دل میں خیال آیا کہ میں علم میں بھی آپ سے برتر ہوں' اپنی روزی بھی محنت اور خون پسینے سے کماتا ہوں' جب یہ بات میرے دل میں آئی تو اس وقت آپ نے قندیل پر نظر ڈالی اور فرمایا کہ اس قندیل میں پانی اور تیل آپس میں مناظرہ کر رہے ہیں' پانی نے کہا اے تیل میں تجھ سے زیادہ عظمت وعزت والا ہوں' تیری زندگی بلکہ ہر

چیز کی زندگی مجھ پر موقوف ہے‘ تو میرے سر پر کیوں بیٹھا ہے؟ تیل نے کہا اس لیے کہ میں نے بڑی تکالیف دیکھی ہیں۔ پہلے میں زمین میں بیجا گیا‘ پھر مجھے کاٹا گیا‘ پھر مجھے کوٹا گیا‘ پھر مجھے کولھو میں پیڑا گیا‘ اب میں جلتا بھی ہوں لیکن دوسروں کو روشنائی پہنچاتا ہوں‘ تو اپنی مرضی سے کام کرتا ہے‘ اگر کوئی تیرے سر پر بیٹھ جائے تو شور مچاتا ہے۔

بصیرت:

خداوند تعالیٰ نے انسان کو دو آنکھیں دی ہیں‘ جن سے وہ چیزوں کو اور رنگوں کو دیکھتا ہے‘ اسے بصارت یا بینائی کہتے ہیں‘ اسی طرح باطن میں بھی انسان کو آنکھیں دی ہیں کہ جن سے وہ چیزوں کی حقیقت کو پاتا ہے‘ اسے بصیرت کہتے ہیں۔ بصیرت کی نشانی یہ ہے کہ پہلے اپنے عیب دیکھے پھر دوسروں کے عیب پر نظر ڈالے تاکہ اپنے عیبوں کو دیکھ کر مسلمانوں کی عیب جوئی سے باز رہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لیے نیکی کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کو اپنے نفس کے عیوب سے آگاہی عطا کر دیتے ہیں۔ جب صوفی سالک اپنی بصیرت کے ذریعے اپنے عیبوں کو دیکھتا ہے تو بندے اور غیب کے درمیان سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور وہ ان لوگوں میں سے ہو جاتا ہے‘ جو اس آیت کے مطابق ہوتے ہیں۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ (سورہ۲ آیات ۲‘۳) ___ اور ایمان تصدیق ہے‘ تصدیق تصور سے حاصل ہوتی ہے اور تصور بصیرت سے اور بصیرت فکر کا نتیجہ ہے۔ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ اے اللہ مجھے اشیا کی حقیقت کا علم عطا فرما ”اللھم

ارنا الاشیاء کماھی" اور حقیقت یہ ہے کہ تمام بصیرتوں کی حقیقت انہیں حاصل تھی لیکن اپنی امت کو یہ بات بطور دعا سکھائی ہے۔ بصیرت کے باب میں اردشیر العبادیؒ (م ۵۴۷ھ) فرماتے ہیں کہ خدا کا فرمان ہے "اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰٓئِفٌ" مِّنَ الشَّيۡطٰنِ تَذَكَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ" (سورہ ۷ آیت ۲۰۱) یعنی وہ لوگ جو پرہیزگار ہیں جب انہیں شیطان کی طرف سے خطرات محسوس ہوتے ہیں تو وہ خدا کی یاد میں لگ جاتے ہیں' پس ایک دم ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ تفکرؔ ایک طرح سے طلب ہے اور طلب گویا حصول مراد ہی کی ایک صورت ہے۔ کیونکہ جو شخص کسی مقصد کا ارادہ کرتا ہے اور پھر اس کی ضروری شرائط پوری کر دیتا ہے تو وہ لازمی طور پر مقصد کو حاصل کر لیتا ہے۔ پس ارادہ کرنے کے معنی تفکر کے ہیں اور ارادے کو پالینے کے معنی بصیرت کے ہیں[۲۱]

تصورِ عقل اور صوفیہ:

عقل کا دائرۂ کار بہت وسیع بھی ہے' گوناگوں بھی اور عمیق بھی' وسعت کے حوالے سے عقل کی رسائی ذرّے سے لے کر آفتاب تک' انسان سے لیکر وجود ذات باری تعالیٰ تک ہے اور گوناگوں حیثیت سے عقل کے مختلف پہلو اور مدارج بیان کیے جاتے ہیں جس میں عقل جزوی' عقل کلی یا ذہن اور قلب کی اصطلاحات استعمال کی جاتی ہیں۔ عقل کا تصور بڑا عمیق بھی ہے' وہ یوں کہ اس کی حقیقت کو پانے کے لیے تمام مفکرین اور فلسفی اور سائنس دان اپنی سی کوشش کرتے ہیں لیکن اس کی حدود ابھی تک

متعین نہیں ہو سکیں، کچھ لوگوں کی نظر میں کائنات اور کائنات سے ماوریٰ ہر چیز عقل کی دسترس میں ہے اور کچھ مفکر عقل کی محدودیت کے قائل ہیں اور کچھ عقل کے مخالف بلکہ اس کے منکر ہیں اور عقل کی مخالفت میں بہت سے دلائل پیش کرتے ہیں اور اسی حوالے سے ایک فلسفی کا یہ دلچسپ قول ہے کہ ''حیرت کی بات یہ ہے کہ منکرین عقل اپنی بات منوانے کے لیے دلائل بھی عقل ہی سے دیتے ہیں یعنی عقل کی مخالفت و مخاصمت میں عقل ہی سے مدد بھی لیتے ہیں''۔

یہ بات تو سبھی مانتے ہیں کہ عقل انسان کو حیوان سے ممتاز کرتی ہے اور شرف انسانیت کا تاج اس کے سر پر رکھتی ہے، البتہ عقل کے مختلف پہلوؤں پر سب سے پہلے زرتشت (ایرانی مذہبی رہنما قبل از مسیح) نے روشنی ڈالی تھی جب اس نے عقل خیر یعنی سپنتا مینو اور عقل بد یعنی اھرامینو کا تصور پیش کیا تھا۔ سپنتا مینو وہ قوت ہے جو سراپا خیر ہے اور نیکی کی طرف راہنمائی کرتی ہے، اھرامینو وہ قوت ہے جو سراپا بدی اور شر ہے اور برائی کی طرف مائل کرتی ہے۔ گویا اس نے ایک حد تک نفس اور قلب کے فرق کو واضح کیا، جو مسلم مفکرین کے ہاں موجود ہے۔ مسلم مفکرین کی نظر میں عقل اور شیطنت دو متضاد قوتیں ہیں، جو انسان کی ذات میں شہوت اور غضب کے ذریعے تعمیری اور تخریبی کام کرتی ہیں۔ شیطنت عقل کے خلاف سبعیت (حیوانیت) اور بہیمیت (درندگی) کو اکساتی ہے لیکن عقل ان کو کنٹرول کرتی ہے اور ان کی تطہیر کرتی ہے تاکہ یہ قوتیں ذات انسانی کے لیے مفید ہو سکیں۔ جب عقل مکمل طور پر بُری قوتوں کو مغلوب

کر لیتی ہے اور ان کو کامل طور پر صحیح راہ پر لگا دیتی ہے تو وہ حالت حاصل ہو جاتی ہے جسے قرآن نے نفس مطمئنہ کہا ہے لیکن اس کے برعکس جب شیطنت یا نفس عقل پر غالب آجائے اور عقل تمام تر شیطنت سبعیت (حیوانیت) اور بہیمیت (درندگی) بن جائے تو نفس امارہ کی حالت حاصل ہوتی ہے' درمیان کی حالت کو نفس لوامہ (یعنی ملامت کرنے والا نفس) کہتے ہیں۔ نیز مسلم مفکرین کی نظر میں ایک نوع سے عقل کی دو اقسام ہیں: عقل نظری اور عقل عملی' عقل نظری کا کام حقائق اشیا کو سمجھنا ہے اور عقل عملی کا کام صحیح قدم اٹھانا ہے۔ عقل نظری عام اصول وضع کرتی ہے' عمومیت سے بحث کرتی ہے' تصورات قائم کرتی ہے' ٹھوس چیزوں سے بسیط اشیا تک پہنچتی ہے' نیز خاص سے عام' کثرت سے وحدت تک رسائی حاصل کرتی ہے اور ایک طرح سے یہی وجدان' کشف' الہام اور وحی کی بنیاد بھی ہے اور جب عقل کا کام امور معاش کی تنظیم ہو اور وہ افعال کی اچھائی یا برائی کو زیر بحث لائے تو اسے عقل عملی کہتے ہیں ____ مشہور مسلم فلسفی کندی عقل کی نارسائی کا قائل تھا۔ عقل (اس کی نظر میں) اپنی نوعیت کے اعتبار سے محدود ہے کیونکہ وہ استدلال کے لیے بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر حواس پر مبنی ہے اور یہ بات مسلّم ہے کہ حواس محض ظاہر کے علم تک محدود ہیں یوں عقل یا فلسفہ سے حقیقتِ کما حقہ کا ادراک ممکن نہیں' عقل حقیقتِ مطلقہ کی جانب پیش قدمی ضرور کرتی ہے لیکن اس کا احاطہ کرنے سے قاصر ہے' اس کے مقابلہ میں مذہب وحی و الہام یا وجدان پر مبنی ہے' اس لیے وہ حقیقتِ مطلقہ کا ادراک کر سکتا ہے' اس کے نزدیک عقل

اور وحی دونوں ایک ہی منزل مقصود کی جانب گام زن ہیں' ایک آگے ہے ایک پیچھے ہے' وحی کی رہنمائی کے بغیر عقل ہلاک ہو جاتی ہے۔ کندی عقل پر وحی کی برتری کا قائل ہے جبکہ فارابی' ابن سینا اور زکریا رازی نے کندی سے اس سلسلہ میں اختلاف کیا ہے۔ یہ حضرات عقل کی برتری کے قائل ہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ انسانی وجود نفس' روح اور عقل پر مشتمل ہے۔ نفس انسانی وجود انسانی کا جسمانی یا ظاہری پہلو ہے اور روح اس کا باطنی پہلو ہے' ان دونوں چیزوں میں حیوانات اور انسان شریک ہیں یعنی انسان کی طرح حیوانات کا جسمانی وجود بھی ہے اور زندہ ہونے کے ناطے سے ان کے پاس روح بھی ہے' لیکن وہ عقل سے محروم ہیں جبکہ انسان کے پاس عقل بھی ہے۔ عقل کے دو پہلو ہیں' ایک پہلو وہ ہے جو جسم یا نفس انسانی سے وابستہ ہے یا محسوسات یا معقولات سے متعلق ہے' عقل کا یہ پہلو حیات وکائنات کے محسوساتی اور معقولاتی پہلوؤں کا ادراک کرتا ہے' انسان اسی عقل سے معاشرتی' معاشی' سائنسی اور اخلاقی مسائل کے بارے میں غور وفکر کرتا ہے اور انہیں حل کرتا ہے۔ عقل کا دوسرا پہلو وہ ہے جو روح سے متعلق ہے' عقل کے اس پہلو کو قلب یا ضمیر انسانی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے' عقل کا یہی پہلو روحانیت اور وحدانیت حق کا ادراک رکھتا ہے ___ حقیقت یہ ہے کہ القا' الہام' وحی' کشف' تفکر' حدس' فراست اور بصیرت ایک طور سے عقل کے مدارج ہیں' اسی کے مظاہر ہیں' یا عقل ہی کے وجود سے ان کا وجود وابستہ ہے۔ القا' الہام' وحی اور کشف وبصیرت یا حدس و

فراست میں علم بطریق استدلال حاصل نہیں ہوتا' یہ موہبت ربانی ہے' لیکن ان سب کا اعتبار عقل ہی سے قائم ہے ___ تفکر عقل ہی کا ایک عمل ہے جسے عمل قلب یا سفر قلب بھی کہا جاتا ہے۔ حدس میں غور وخوض یا تفکر کے بعد ایک بات قلب میں القا ہو جاتی ہے۔ حدس سے فراست پیدا ہوتی ہے اور تفکر سے کیاست۔ فراست کا تعلق قلب سے ہے اور کیاست کا تعلق دماغ سے ہے اور ان تمام پر عقل کی حکمرانی کسی نہ کسی رنگ میں مسلّم ہے۔

صوفیہ اس بات پر متفق ہیں کہ عقل کے سوا کوئی اور خدا کو نہیں پہچان سکتا' عقل ایک آلہ ہے جس کے ذریعے سے انسان اشیا کو پہچانتا ہے جنہیں اللہ نے خلق کیا ہے پھر اس شناخت کے واسطے سے خدا کو پہچانتا ہے لیکن خالقِ اشیا کی معرفت کامل عقل کے بس میں نہیں کہ سونے کی ترازو سے پہاڑ کو نہیں تولا جا سکتا۔ بقول سعدیؒ عقل راہ نہیں' چراغ راہ ہے۔ کسی صوفی کا قول ہے کہ العقل سراج العبودیت یعنی عقل عبودیت کا چراغ ہے' بقول ابوسعید ابوالخیرؒ عقل آلۂ عبودیت ہے' اس سے اسرارِ ربوبیت نہیں جانے جا سکتے' عقل فانی ہے' محدث ہے وہ باقی یا قدیم کو نہیں جان سکتی۔[۲۲]

ایک شخص نے نوریؒ سے پوچھا کہ اللہ کے وجود کی کیا دلیل ہے؟ فرمایا اللہ' اس نے پوچھا پھر عقل کیا ہے؟ جواب دیا عقل تو خود عاجز ہے اور ایک عاجز تو اپنے جیسے عاجز ہی کی دلیل بن سکتا ہے ___ ابن عطاؒ کا قول ہے کہ عقل تو عبودیت کا آلہ

ہے، عقل ذات خداوندی کا ادراک نہیں کر سکتی ـــــ کتاب تعرف کے مصنف نے کسی صوفی کا قول نقل کیا جو عقل کے دائرہ کو بڑی خوبی سے واضح کرتا ہے کہ عقل تو دنیا کے گرد چکر لگا سکتی ہے مگر جب خالق دنیا کی طرف نگاہ اٹھاتی ہے تو پگھل جاتی ہے۲۳ ـــــ ایک صوفی ابوبکر سبّاکؒ اس حقیقت کو یوں تمثیلاً واضح کرتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا تو فرمایا میں کون ہوں؟ عقل خاموش رہی، اس پر اللہ نے اس کی آنکھ میں وحدانیت کا سرمہ لگایا تب عقل نے آنکھیں کھولیں اور کہا تو وہ خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس تمثیل سے ابوبکر سبّاکؒ یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ عقل اللہ کی مدد کے بغیر اسے نہیں پہچان سکتی لیکن ساتھ ہی اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی موجود ہے کہ عقل کے بغیر معرفت حق کا حصول ممکن نہیں۔ یوں اس تمثیل سے عقل کی اہمیت اور اس کی نارسائی دونوں باتیں واضح ہو جاتی ہیں۔۲۴

مناقب العارفین میں ہے کہ ایک دن حضرت مولانا رومؒ نے وعظ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کے جسم پاک کو مٹی سے پیدا کیا اور روح پاک کو اس میں پھونکا تو جبرائیل امینؑ کو حکم دیا کہ قدرت حق کے سمندر سے تین سب سے بہترین موتی لو اور ایک طشت میں رکھ کر آدم صفی اللہ کو پیش کرو اور ان سے کہو کہ ان میں سے صرف ایک لے لو۔ یہ تین موتی عقل و ایمان وحیا تھے۔ جب یہ تینوں گوہر حضرت آدمؑ کو پیش کیے گئے، آپ نے گوہر عقل لے لیا، جبرائیلؑ نے چاہا کہ باقی جو دو گوہر ہیں ان کو واپس قدرت الٰہی کے سمندر میں لے جائے لیکن باوجود اپنی زبردست طاقت وقوت

کے وہ ایسا نہ کر سکے۔ ایمان وحیا کے گوہروں نے یہ کہا کہ عقل جو محبوب خدا ہے ہم اس کا ساتھ نہیں چھوڑ سکتے' اس کے وجود کے بغیر ہمارا کوئی وجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیلؑ کو حکم دیا کہ ان کو اسی طرح چھوڑ' تم آجاؤ۔ حضرت جبرائیلؑ کے جانے کے بعد عقل نے آدمؑ کے دماغ میں' ایمان نے آدمؑ کے دلِ پاک میں اور حیا نے آدمؑ کے چہرۂ مبارک میں اپنا گھر بنالیا' یہ تینوں موتی آدمؑ کی میراث خاص ہیں' جو انسان ان موتیوں سے متحلّی و متجلی (یعنی آراستہ) نہیں ہے وہ انسان نہیں۔ ۲۵

غزالیؒ کہتے ہیں' خداوند تعالیٰ نے عقل کو بہت خوب صورت شکل میں پیدا کیا اور اس کو فرمایا' جاؤ' وہ چلی گئی' پھر حکم ہوا' آؤ اور وہ آ گئی۔ پھر خدا نے عقل سے کہا کہ میں نے تمام دنیا میں کوئی چیز تجھ سے بہتر پیدا نہیں کی۔ تمام مخلوق کو سزا و جزا تیرے ہی ذریعے سے ہوگی۔ اس قول کی درستی پر دلیل یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے بندوں پر دو چیزیں لازم کی ہیں ایک امر ہے' دوسری نہی اور یہ دونوں عقل پر موقوف ہیں جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ **فَاتَّقُوا اللّٰهَ يَآ اُولِى الْاَلْبَاب** (سورہ ۶۵' آیت ۱۰) اور **اولی الالباب** کے معنی ہیں صاحبانِ خرد کے اور خرد کو عربی میں عقل کہتے ہیں۔ عقل عقال (رسّی) سے مشتق ہے' حصار یا قلعہ جو پہاڑ پر بنا ہوا ہو جہاں کوئی نہ پہنچ سکے' اسے معقل کہتے ہیں یعنی مضبوط۔ ۲۶

ایک صوفی کا قول ہے کہ قوت عقل کے اعتدال سے انسان مدبّر' دانش مند اور سمجھدار بنتا ہے' اس کی رائے صائب ہوتی ہے' عقل اعتدال سے بڑھ جائے تو

مکاری' دھوکہ بازی اور فریب دہی کہلاتی ہے' اگر عقل ضعیف ہو یعنی اعتدال سے کم ہو تو حماقت نام پاتی ہے ۲۷ ۔ حضرت جعفر صادقؑ نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا کہ عاقل کون ہے؟ انہوں نے فرمایا جو خیر وشر میں تمیز کر سکے۔ حضرت جعفر صادقؑ نے کہا کہ یہ بات تو جانور بھی کر سکتے ہیں' جانور بھی تمیز کر لیتا ہے کہ کون اسے مارتا ہے اور کون اسے چارہ دیتا ہے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے پوچھا کہ پھر آپ کے نزدیک دانش مند کی کیا علامت ہے؟ آپ نے فرمایا کہ دانش مند وہ ہے جو دو بھلائیوں میں سے بہتر بھلائی کو اختیار کرے اور دو برائیوں میں سے کم تر برائی کو چنے ۔ حضرت ابو حفص حدادؒ سے لوگوں نے پوچھا کہ دانش مند کون ہے؟ آپ نے فرمایا دانش مند وہ ہے جو اپنے نفس سے اخلاص کا طالب ہو۔ ۲۸

شیخ جنیدؒ کا قول ہے کہ عقل کا کام یہ ہے کہ وہ حق و باطل میں تمیز کرتی ہے' علم سے انسان حلال وحرام کے فرق کو جانتا ہے اور معرفت کا پھل یہ ہے کہ انسان خدائی اور بندگی کے فرق کو سمجھ لیتا ہے۔ حق وہ ہے جو انسان کے نفس کو گراں معلوم ہو اور معصیت یا باطل وہ ہے جو نفس کو بھلا لگے' حلال کام وہ ہے کہ جس کی لوگوں کو خبر ہو جائے تو تمہیں اس کا خوف نہ ہو اور حرام کام وہ ہے کہ تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کہیں لوگ تمہارے اس کام کو نہ جان لیں' خداوندی پرورش ہے اور بندگی پرستش۔ خداوندی تمام تر دانائی اور توانائی اور بندگی تمام تر ناتوانی اور نادانی ہے۔

خواجہ فقیہؒ کا قول ہے کہ عقل تین قسم کی ہے: ایک وہ عقل ہے کہ جس کی ضد

جنون ہے اور انسان اس عقل کی وجہ سے گفتگو اور فرائض کے لائق بنتا ہے' دوسری عقل وہ ہے کہ جس کی ضد خواہش نفس ہے' انسان اس عقل سے خدا کی اطاعت وعبادت کے لائق بنتا ہے۔ تیسری عقل وہ ہے کہ جس کی ضد حماقت ہے' اس عقل کی وجہ سے انسان مشورہ کرنے اور دوستی کے لائق بنتا ہے۔

امام غزالیؒ کی نظر میں عقل علم کا منبع ہے اور اصل ہے' علم کا عقل سے وہی تعلق ہے جو درخت کا پھل سے' سورج کا روشنی سے اور آنکھ کا بینائی سے ہے۔ جو چیز دنیا وآخرت کی سعادت کا ذریعہ ہو وہ اشرف واعلیٰ کیسے نہ ہوگی؟ عقل کی فضیلت مسلّم ہے۔ عقل کی چار اقسام ہیں: پہلی قسم وہ وصف ہے جس کی وجہ سے انسان دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز ہے' یہ وہ وصف ہے جس سے انسان کے اندر نظری علوم کو قبول کرنے اور مخفی فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی استعداد پیدا ہوتی ہے۔ حضرت محاسبیؒ نے عقل کی یوں تعریف کی ہے کہ عقل ایک فطری قوت ہے جس کے ذریعہ سے انسان علوم نظری کا ادراک کرسکتا ہے' انسان عقل کی بنا پر ہی حیوانات سے ممتاز ہے۔ عقل کی دوسری قسم وہ علوم ہیں جو قوت تمیز رکھنے والے کسی بھی بچے کی ذات میں موجود ہوں یعنی ممکن چیز کے ممکن ہونے کا علم اور ناممکن چیز کے ناممکن ہونے کا علم مثلاً اس بات کا علم کہ دو ایک سے زیادہ ہوتے ہیں یا یہ کہ ایک شخص کا ایک ہی وقت میں دو جگہوں پر پایا جانا محال ہے۔ عقل کی تیسری قسم یہ ہے کہ عقل ان علوم کو کہتے ہیں جو روزمرہ کے احوال اور تجربوں سے حاصل ہوں' جو شخص تجربہ کار ہو اور آزمودہ کار ہو

اسے بھی عاقل کہتے ہیں۔ عقل کی چوتھی قسم یہ ہے کہ عقل تمام امور و معاملات کے عواقب وانجام پر نظر رکھے اور وقتی لذّتوں سے ہمیشہ کے لیے کنارہ کش ہو جائے۔ جس شخص کو یہ انتہائی قوت میسر ہو اسے بھی عاقل کہتے ہیں۔ عقل کی پہلی قسم اصل ہے اور وہی تمام علوم کا سر چشمہ ہے' دوسری قسم پہلی قسم کی نوع ہے۔ تیسری قسم پہلی اور دوسری کی فرع ہے' کیونکہ قوت طبعی اور بدیہی علوم سے تجربوں کا علم حاصل ہوتا ہے۔ چوتھی قسم ثمرہ اور مقصد ہے۔ پہلی دونوں قسمیں طبعی اور فطری ہیں اور آخری دونوں قسمیں کسب سے حاصل ہوتی ہیں۔

یہ سوال کہ صوفیہ عقل کو باوجود اس کی اتنی اہمیت اور عظمت کے کیوں برا کہتے ہیں؟ اس کا جواب غزالیؒ یوں دیتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض اشخاص نے عقل کو مباحثوں اور مناظروں کے ساتھ مخصوص کر لیا ہے جسے وہ علم کلام کہتے ہیں' اب عقل کا کام یہ رہ گیا ہے کہ بحث کی جائے' فریق ثانی پر الزامات لگائے جائیں اور جواب الزام کا یہ سلسلہ دراز تر ہو۔ اس لیے انہوں نے مذمت عقل کا راستہ اختیار کیا۔ ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ صوفیہ اس نور بصیرت کی مذمت کریں جس سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور انبیاء کرام کی تصدیق کی جاتی ہے اور جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے خود فرمائی ہے۔ ۲۹

عبدالعزیز نسفیؒ کی نظر میں عقل وعلم صرف انسان ہی سے مخصوص ہیں' وہ علما اور فلسفیوں کے اس نظریئے سے اختلاف رکھتے ہیں کہ افلاک وانجم بھی عقل وعلم و

ارادہ اور قدرت رکھتے ہیں یعنی یہ بات کہ ہر فلک ایک عقل رکھتا ہے اور نو آسمان نو عقول ہیں اور ان کی حرکت بااختیار ہے' نسفیؒ اس نظریئے کو تسلیم نہیں کرتے۔ وہ علما کے اس خیال سے بھی متفق نہیں کہ ملائکہ صاحب علم ہیں' ان کی نظر میں افلاک وانجم اور ملائکہ اپنے عمل میں مجبور ہیں؟ وہ مظہر عمل ہیں اور انسان مظہر علم ہے۔ علم وعقل کی صفات صرف انسان ہی سے مخصوص ہیں' انسان عقل کی موجودگی میں مجبور ہے اور عمل کے کرنے میں مختار ہے یعنی استعداد میں مجبور ہے لیکن عمل میں مختار ہے۔ عمل کی دو قسمیں ہیں' ایک عمل قالب ہے' دوم عمل قلب ہے ___ انسان حواس کے ذریعے سے عالم ملک یعنی مادی دنیا کا علم حاصل کرتا ہے اور عقل کے ذریعے سے عالم ملکوت تک پہنچتا ہے اور عشق کے ذریعے سے عالم جبروت تک رسائی حاصل کرتا ہے ___ نسفیؒ ایک اور جگہ یوں کہتے ہیں کہ عقل آدم ہے چونکہ عقل ہی اشیا کے ناموں کو جانتی ہے اور اسی حوالے سے یہ آیت ہے وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَاءَ کُلَّهَا (سورہ ۲' آیت ۳۱) ___ طبیعت (یا فطرت) ابلیس یا شیطان ہے چونکہ طبیعت وہ ہے جو عقل سے پہلے ملائکہ کی سردار (یا معلم) تھی اور تمام ملائکہ طبیعت کے ماتحت تھے' عقل (آدمؑ) کے آنے سے طبیعت (یا فطرت) سرداری سے معزول ہوگئی اور تمام فرشتوں نے آدمؑ کو سجدہ کیا یعنی آدم کی سرداری قبول کرلی' (طبیعت یا ابلیس کی معزولی کی وجہ ہی سے ابلیس کو عزازیل کہا جاتا ہے کہ وہ ملائکہ کی سرداری سے معزول ہوگیا تھا)۔ اسی حوالے سے یہ آیت ہے وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

فَسَجَدُوْٓا اِلآ اِبْلِیس. (سورہ ۲ آیت ۳۴)___ نسفیؒ کی نظر میں انسان فرشتہ اور شیطان کا مجموعہ ہے وہ یوں کہ ملکوت میں ملک (فرشتہ) اور شیطان دونوں تھے' ملکوت میں عقل فرشتہ اور طبیعت شیطان تھی' جب عقل وطبیعت دونوں مصور ہوگئے تو ان سے آدم کی صورت پیدا ہوگئی' پس جس شخص پر عقل غالب ہے وہ فرشتہ ہے بلکہ فرشتہ سے بہتر ہے اور جس پر طبیعت غالب آ گئی وہ شیطان ہے بلکہ شیطان سے بھی بدتر۔[۳۰]

بقول حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ (صاحب عوارف المعارف) بعض حضرات کے خیال میں عقل کے دو پہلو ہیں' ایک پہلو سے وہ دنیا کے امور پر غور کرتی ہے اور دوسرے پہلو سے آخرت کے معاملات پر غور وفکر کرتی ہے' پہلی عقل روح کے نور سے حاصل ہوتی ہے' دوسری عقل کا تعلق نور ہدایت سے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلی عقل تمام انسانوں میں عام ہے اور عقل ثانی صرف توحید پرستوں میں موجود ہے۔[۳۱]

لوگوں نے حضرت عبداللہ بن مبارکؒ سے پوچھا کہ انسان کی سب سے بڑی خوبی کیا ہے؟ آپ نے فرمایا' عقل کامل' لوگوں نے پوچھا اگر یہ نہ ہو؟ فرمایا حسن ادب' لوگوں نے پوچھا اگر یہ نہ ہو؟ فرمایا شفقت ومحبت' لوگوں نے پوچھا اگر یہ نہ ہو؟ فرمایا پھر تو موت بہتر ہے۔

ایک صوفی کا قول ہے کہ انتھاء العقل الی الحیرت و انتھاء الحیرت الی السکر یعنی عقل کی انتہا حیرت ہے اور حیرت کی انتہا سکر (محویت)

ہے۔ جو گویا دیوانگی ہی کی ایک صورت ہے۔ شبلیؒ کا قول ہے کہ عرفان حق میں دیوانگی عقل ہے اور عقل دیوانگی ہے ___ کسی صوفی کا قول ہے کہ انسان عقل و دانش میں اس وقت کمال کو پہنچتا ہے جب لوگ اسے دیوانہ کہیں اور وہ خوش ہو۔۳۲

صوفیہ میں کچھ عارفین کامل ایسے بھی ہیں جو اپنی عرفانی کیفیت میں مست و بیخود اور دنیا کی نظر میں وہ دیوانے ہوتے ہیں لیکن حقیقت میں وہی حقیقی دانشور بھی ہوتے ہیں۔ صوفیہ میں اس گروہ کے سرخیل حضرت اویس قرنیؓ ہیں۔ لوگ انہیں دیوانہ سمجھتے تھے' بچے انہیں پتھر مارتے تھے تو وہ بچوں سے کہتے تھے کہ چھوٹے پتھر مارو تا کہ میری ٹانگیں اتنی زخمی نہ ہو جائیں کہ میں نماز ادا نہ کر سکوں ___ حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علیؓ ان سے ملنے گئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اے اویسؓ مجھے کوئی نصیحت کیجئے' آپ نے فرمایا کہ اے عمرؓ کیا تم خدا کو پہچانتے ہو؟ جواب دیا ہاں' فرمایا اگر تم سوائے خدا کے کسی اور کو نہ پہچانو تو تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ کچھ اور فرمایئے۔ فرمایا اے عمرؓ کیا تمہیں خدا جانتا ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا سوائے خدا کے تمہیں کوئی اور نہ جانے' تمہارے لیے یہی بہتر ہے ___ ایک دن لوگوں نے حضرت شبلیؒ کو دیکھا کہ آپ دو جلتی ہوئی لکڑیاں ہاتھ میں لیے پھر رہے ہیں' لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ ایک سے جنت کو جلا دینا چاہتا ہوں اور دوسری سے دوزخ کو تا کہ لوگ خدا کے لیے عبادت کریں' دوزخ کے خوف سے اور جنت کے لالچ میں عبادت نہ کریں۔

ایک بار چند روز تک دن رات ایک درخت کے نیچے رقص کرتے رہے اور ہو ہو پکارتے رہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں؟ فرمایا کہ اس درخت پر کوئل کوکو کر رہی ہے' میں بھی اس کی موافقت میں ہو ہو کہہ رہا ہوں ____ ایک مرتبہ عید کے دن حضرت شبلیؒ سیاہ لباس پہنے ہوئے ماتم کر رہے تھے' لوگوں نے کہا کہ آج تو عید ہے خوشی کا دن ہے' آپ نے کیوں ماتمی لباس پہنا ہوا ہے؟ فرمایا اس لیے کہ مخلوق اپنے خدا سے غافل ہوگئی ہے ____ ایک مرتبہ کسی پیالی فروش نے یہ آواز لگائی کہ صرف ایک پیالی باقی رہ گئی ہے' تو آپ نے ضرب لگا کر فرمایا کہ آگاہ ہو جاؤ صرف ایک (یعنی خدا) ہی باقی رہ گیا ہے اور باقی رہے گا' باقی سب فانی ہیں۔ ۳۳

ایک شخص نے حضرت شیخ شبلیؒ سے روتے ہوئے کہا کہ اے شیخ! میرا ایک دوست تھا اس کے وجود سے میری زندگی تھی' کل وہ مر گیا اور مجھے زندہ درگور کر گیا۔ حضرت شبلیؒ نے کہا کہ ایسے شخص کو دوست ہی کیوں بناتے ہو جو مر جاتا ہے؟ ایسے کو (یعنی خدا کو) دوست بناؤ جو نہیں مرتا تاکہ تم بھی نہ مرو۔

ایک دیوانہ صوفی نیشاپور گیا' اس نے نیشاپور کے مضافات میں ایک جنگل دیکھا' جہاں بہت سی گائیں' بکریاں' بھیڑیں چر رہی تھیں۔ دیوانے نے پوچھا کہ یہ بھیڑوں و بکریوں کے گلّے کس کے ہیں؟ لوگوں نے کہا عمید نیشاپوری کے۔ پھر اس نے ایک میدان دیکھا جہاں بہت سے گھوڑے تھے' اس نے

پوچھا' کہ یہ گھوڑے کس کے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ گھوڑے عمید نیشاپوری کے ہیں۔شہر میں آیا تو دیکھا کہ بہت سے غلام زرق برق لباس میں پھر رہے ہیں' اس نے پوچھا کہ یہ غلام کس کے ہیں؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ عمید نیشاپوری کے ہیں۔ دیوانے نے شہر کے اندر ایک سرائے دیکھی جو نہایت شاندار' آراستہ و پیراستہ تھی۔ دیوانے نے وہاں پر موجود لوگوں سے پوچھا' یہ سرائے کس کی ہے؟ لوگوں نے کہا کہ عمید نیشاپوری کی ہے۔ دیوانے نے اپنے سر سے پرانی پگڑی اُتار کر آسمان کی طرف پھینکتے ہوئے کہا "اے خدا لے یہ پگڑی بھی عمید نیشاپوری کو دیدے جب تو نے سب چیزیں اسی کو دے دی ہیں" ____ یہ حکایت درحقیقت معاشرتی ناانصافی کے بارے میں ایک لطیف طنز ہے۔

ایک روز حضرت بہلولؒ خلیفہ ہارون الرشید کے پاس گئے اوران کے تخت پر بیٹھ گئے۔خلیفہ کے محافظوں نے انہیں اتنا مارا کہ ان کے بدن سے خون بہنے لگا۔مار کھانے کے بعد حضرت بہلولؒ نے ہارون الرشید سے کہا کہ اے بادشاہ میں چند لمحے اس تخت پر بیٹھا تو مار کھا کر میرا حال خراب ہوگیا۔تم یہاں ایک مدت سے بیٹھے ہو۔ تمہارا تو جوڑ جوڑ توڑ دیا جائے گا۔ میں نے ایک لمحہ بیٹھنے کی سزا بھگت لی۔اب تمہیں اس تخت پر اتنی زیادہ دیر بیٹھنے کی جو سزا ملنے والی ہے اس کے لیے تیار ہو جاؤ! ____ حضرت بہلولؒ کو لوگوں نے دیکھا کہ قبرستان میں بیٹھے ہیں۔لوگوں نے پوچھا کہ یہاں کیا کر رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ میں ایسے لوگوں کے پاس بیٹھا ہوں جو مجھے

آزار نہیں پہنچاتے' اگر میں آخرت سے غافل ہو جاتا ہوں تو مجھے آخرت کو یاد دلا دیتے ہیں اور اگر میں ان کے پاس نہ ہوں تو میری غیبت نہیں کرتے۔

ایک روز حضرت بہلولؒ ہاتھ میں لاٹھی لیے ہوئے تھے اور قبروں پر مار رہے تھے۔ لوگوں نے پوچھا کہ اے دیوانے ان قبروں نے تیرا کیا قصور کیا ہے کہ تو انہیں لاٹھیاں مار رہا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ لوگ جو اس دنیا سے چلے گئے ہیں بے حد جھوٹے تھے۔ ایک کہا کرتا تھا کہ یہ گھر میرا ہے' دوسرا کہتا تھا کہ یہ سامان اور مال میرا ہے' ایک کہتا تھا کہ یہ کھیت میرا ہے' ایک کہتا تھا کہ یہ باغ میرا ہے' خدا کہتا تھا کہ تمہارا یہ دعویٰ جھوٹا ہے' یہ سب چیزیں میری ہیں' تمہاری ملکیت نہیں ہیں ___ بغداد کے خلیفہ نے ایک محل تعمیر کیا' جب وہ اسے دیکھنے گیا تو حضرت بہلولؒ بھی وہاں موجود تھے' خلیفہ نے پوچھا' تمہاری نظر میں یہ محل کیسا ہے؟ حضرت بہلولؒ نے ایک کوئلہ لے کر محل کی دیوار پر لکھا: ''تو نے خاک کو بلند کیا اور دین پاک کو چھوڑ دیا' اگر تو نے اپنے مال سے کیا ہے تو اسراف سے کام لیا ہے اور اگر دوسروں کے مال سے یہ محل بنایا ہے تو ظلم کیا ہے اور خدا ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

سلطان طغرل بابا طاہر ہمدانی کی خدمت میں دست بوسی کے لیے پہنچا' بابا طاہر کچھ مجذوبانہ (دیوانگی کی) کیفیت رکھتے تھے' انہوں نے فرمایا اے تُرک خلق خدا سے کیسا سلوک کرتے ہو؟ سلطان نے کہا جیسا آپ فرمائیں گے۔ بابا طاہر نے کہا کہ ایسا سلوک کرو جیسا کہ خدا حکم دیتا ہے اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَان

اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے ــــــ (سورہ ۱۶ آیت ۹۰) سلطان طغرل نے کہا کہ میں ایسا ہی کرونگا' بابا طاہر نے اپنے پرانے لوٹے کا ٹوٹا ہوا گھیرا جو وہ اتفاق سے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے' سلطان کی انگلی میں پہنا دیا اور فرمایا جاؤ دنیا کی بادشاہت تمہیں دی' عدل کرو' سلطان اسے تعویذ کے طور پر اپنے پاس رکھتا تھا ــــــ کہتے ہیں کہ امام احمد حنبلؒ اکثر بشر حافیؒ کے پاس جایا کرتے تھے اور ان سے بے حد عقیدت رکھتے تھے' شاگردوں نے ایک روز پوچھا کہ آپ امام عالم ہیں آپ کیوں اس دیوانے کے پاس جاتے ہیں؟ فرمایا کہ بے شک میں علم کو ان سے بہتر جانتا ہوں لیکن وہ معلوم کو یعنی خدا کو مجھ سے بہتر جانتا ہے اور جب بشر حافیؒ کے پاس جاتے تو فرماتے حدثنی عن ربی ۔ میرے رب کی بات کرو ــــــ کسی نے امام حنبلؒ سے پوچھا کہ محبت کیا ہے؟ فرمایا کہ بشر حافیؒ سے پوچھو' جب تک وہ زندہ ہے میں ان معاملات میں خاموش رہوں گا۔ ۳۴ے

انہی حضرات کے بارے میں عین القضاۃ ھمدانی کہتے ہیں:

در عشق ملامتی و رسوایی بہ   کافر شدن و گبری و ترسایی بہ

پیش ھمہ کس عاقل و رعنایی بہ   واندر رہ ما سودایی و رسوایی بہ

یعنی عشق (حق) میں رسوائی اچھی بات ہے' کافر ہونا' آتش پرست ہونا' عیسائی ہونا خوب ہے۔ سب لوگوں کے نزدیک عاقل ہونا اور ادب وآداب کا خیال رکھنا اچھا ہے جبکہ ہمارے مذہب میں دیوانگی اور رسوائی خوب ہے۔

تصورِ عشق اور صوفیہ:

جہانِ فکر وادب میں عقل وعشق کا موضوع بڑا دلچسپ بھی ہے اور فکر انگیز بھی اور متنازعہ فیہ بھی' افلاطون کے زمانے سے اب تک بڑے بڑے مفکرین اور اہل قلم نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔ اہل فکر ونظر کا ایک گروہ جس میں فارابی' ابن رشد اور بہت سے مغربی مفکرین شامل ہیں' عقل کی سیادت کو تسلیم کرتا ہے' اس گروہ کی نظر میں حقیقت مطلق کا ادراک صرف عقل ہی کر سکتی ہے جب کہ متصوفین میں غزالی' سنائی' رومی' نجم الدین رازی اور مفکرین میں علامہ اقبال اور مغربی فلسفی برگساں کے نزدیک عقل حقیقت مطلق کے ادراک سے عاجز ہے چونکہ وہ حواس کی پابند ہے اور حقیقت مطلق حواس سے ماورا ہے اس لیے حقیقت مطلق کا ادراک وجدان یا عشق ہی سے ممکن ہے' یہ گروہ وجدان یا عشق کی سیادت کو تسلیم کرتا ہے۔ عشق یا محبت انسان کے بنیادی جذبوں میں سے ہے' یہ ایک بہت ہی لطیف وشریف اور پیارا جذبہ ہے۔ حافظ شیرازیؒ نے کیا خوب کہا ہے:

از صدای سخن عشق ندیدم خوشتر   یادگاری کہ درین گنبد دوّار بماند

(اس جہان میں ایک ہی پیاری یادگار ہے جو ہمیشہ قائم رہنے والی ہے اور وہ ہے عشق کی بات) ___ کوئی عشق کے بارے میں کیا گفتگو کرے کہ عشق کی جو شرح وتفسیر کرتا ہے وہ اپنی کم مائیگی اور کم علمی پر شرمندہ ہوتا ہے کہ عشق تو علم وعرفان کا اک دریائے بے کنار ہے۔ بقول مولانا رومؒ:

ہر چہ گویم عشق را شرح و بیان   چون بہ عشق آیم خجل باشم ازان

یعنی عشق کی تشریح وتوضیح خواہ کتنی ہی کی جائے بے فائدہ ہے کیونکہ جب میں عشق کی بات کرتا ہوں تو شرمندہ ہوتا ہوں کہ میں اُسے اچھی طرح بیان نہیں کرسکتا ____ اور علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

زبان اگر چہ دلیر است و مدعا شیرین   سخن زعشق چہ گویم جزین کہ نتوان گفت

یعنی اگر چہ زبان بہت کچھ بیان کرسکتی ہے اور عشق کا موضوع بھی شیرین ہے لیکن عشق کے بارے میں بات کرنے سے میں عاجز ہوں ____ پھر بھی عشق کے بارے میں گفتگو تو ہوگی کہ اگر عشق نہ ہوتا تو اتنی لطیف وخوبصورت باتیں کون کہتا اور کون سنتا:

گر عشق نبودی و غم عشق نبودی   چندین سخن نغز کہ گفتی کہ شنودی

لیکن پہلی بات یہ ہے کہ عشق ہے کیا؟

ابن عربیؒ نے کہا تھا کہ جو عشق کی تعریف کرے وہ عشق سے نابلد ہے' جس نے عشق کے جام سے ایک گھونٹ بھی نہیں پیا وہ بھی عشق سے نابلد ہے' اور جو یہ کہے کہ میں جام عشق سے سیراب ہوگیا ہوں' وہ بھی عشق سے نابلد ہے۔ عشق ایسی شراب ہے جو کسی کو سیراب نہیں کرتی' عشق اگر آسمان کو دیں تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے' ستاروں کو پیش کریں تو وہ سیاہ ہو جائیں اور پہاڑ پر رکھیں تو وہ اپنی جگہ سے ہل جائے۔

عشق کے بارے میں علما اور صوفیہ کے نظریات کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

علمائے لغت کے مطابق لفظ عشق عشقہ سے ماخوذ ہے' جس کو عشق پیچاں یا

آ کاس بیل کہتے ہیں۔ اس پودے یا بیل کی یہ خاصیت ہے کہ جس درخت پر لپٹتی ہے
اسے خشک کر دیتی ہے۔ یہی خاصیت عشق کی بھی ہے جس کو عشق کا روگ لگ جائے
اسے خشک اور زرد کر دیتا ہے۔ قاموس المحیط میں عشق کی تعریف یوں کی گئی ہے۔
"**مرض وسواس یجلبه الی نفسه بتسلیط فکره علی استحسان بعض الصور**" یعنی عشق جنون کا مرض ہے جو بعض صورتوں کے اچھا سمجھ لینے سے فکری غلبہ
کی بناء پر انسان خود پر طاری کر لیتا ہے ۳۵ سقراط نے کہا تھا کہ دیوانگی دو قسم کی
ہے: ایک ملکوتی، دوسری جسمانی؛ ملکوتی دیوانگی چار قسم کی ہے (۱) کاھنانہ (۲) عارفانہ
(۳) شاعرانہ (۴) عاشقانہ۔ گویا عشق بھی دیوانگی ہی کی ایک صورت ہے، البتہ یہ
دیوانگی جسمانی نہیں ملکوتی ہے۔ ۳۶

افلاطون کہتا ہے کہ انسانی روح اس سے پہلے کہ اس دنیا میں آئی عالم مجردات
یا عالم ارواح میں تھی، وہاں اس نے حسن مطلق کو دیکھا تھا، اس سے آشنائی تھی پس جب
روح اس عالم مادی میں حسن ظاہری مجازی کو دیکھتی ہے، حسن مطلق کو جسے اس نے
عالم مجردات یا عالم ارواح میں دیکھا تھا، یاد کرتی ہے اور غم جدائی اور درد فراق کو محسوس
کرتی ہے، اس سے جذبہ عشق جاگ جاتا ہے اور وہ فریفتہ جمال جسمانی ہو جاتی ہے، یہ
جسمانی عشق ہے جو مجازی ہے اور عشق حقیقی بقول افلاطون حق اور حقیقت کی جستجو کا
جنون ہے جو ایک دانشور یا حکیم کے سر میں سما جاتا ہے، اسے ہی افلاطونی محبت بھی کہتے
ہیں۔ جس طرح عشق مجازی جسم کو بانجھ پن سے رہائی بخشتا ہے اور بیٹے کی ولادت کا

سبب اور بقائے نوع کا باعث بنتا ہے' اسی طرح عشق حقیقی بھی عقل اور روح کو بانجھ پن سے نجات دلاتا ہے اور ادراک حقائق کا ذریعہ اور زندگی جاوید کے حصول کا سبب بنتا ہے۔ یعنی حسن حقیقی اور خیر مطلق کا عرفان ہی درحقیقت روحانی اور ابدی زندگی ہے۔ کمال انسانی یہی ہے کہ جمال حقیقی کے مشاہدے سے انسان اس طرح بہرہ ور ہو کہ عالم و معلوم اور عاقل و معقول ایک ہو جائیں۔ یعنی ''من تو شدم تو من شدی'' کا مظہر بن جائیں۔ ۳۷

اخوان الصفا نے عشق کی تعریف یوں کی ہے ''عشق نام ہے معشوق کے ساتھ متحد ہونے کے سخت شوق کا'' ۳۸ اشراقی علما کی نظر میں انسانی روح کا اشراق روح کل یا ذات واحد سے ہوا ہے اس لیے روح اپنے مصدر حقیقی کی طرف پرواز کر جانے کے لیے بے قرار رہتی ہے اس بے قراری کو فلاطینوس نے عشق کا نام دیا ہے۔ ۳۹

تصوف میں شاہد و مشہود' ناظر و منظور' طالب و مطلوب کی اصل ایک ہے' اس لیے صوفیہ نے عشق کی تعریف یوں کی ہے ''جمیل حقیقی کا جمعاً اور تفصیلاً اپنے کمال کی جانب میلان''۔ صوفیہ کے نزدیک عشق زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے بلکہ عشق ہی زندگی ہے' عشق سے انسان کا تعلق روز اول سے قائم ہے جب اس نے اس آیت قرآنی اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى (سورہ ۷' آیت ۱۷۲) کے مطابق ''بلیٰ'' کہا تھا ____ بلکہ ساری کائنات کی تخلیق کا سبب اس حدیث قدسی کی روشنی میں کہ میں ایک

چھپا ہوا خزانہ تھا' میں نے چاہا کہ جانا جاؤں سو میں نے مخلوق کو پیدا کیا (کنت کنزاً مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق) عشق ہے' یوں گویا جذبہ عشق انسان کی فطرت میں ہے۔

عشق کا لفظ قرآن پاک میں نہیں آیا بعض ضعیف احادیث میں یہ لفظ موجود ہے' مثلاً یہ حدیث ہے من عَشَقَ فَعَفَّ و کتم فماتَ' مات شهیدا (یعنی جس نے عشق کیا' پاکدامن رہا' عشق کو چھپایا' اور پھر مر گیا' وہ شہید ہوا)[۴۰] ___ البتہ مولانا حسام الدین مانک پوری کی نظر میں لفظ عشق قرآن پاک میں ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے عوام سے اس بات کو پوشیدہ رکھا خواص سے نہیں کہ فرمان حق ہے "حم عسق" یہی عشق ہے جو عین سین قاف کے لباس میں ملبوس ہے' اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر یہ بات سب پر واضح ہو جاتی تو ہر بدن سے آواز "ارنی" اٹھتی ___ توریت میں جو لفظ حرف شین سے تھا وہ قرآن پاک میں حرف سین کے ساتھ آیا ہے۔ قرآن پاک میں بسم اللہ ہے' توریت میں (عبرانی زبان میں) بشم اللہ ہے۔ یعنی شین کے ساتھ ہے ___ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نام قرآن پاک میں سین سے ہے اور تورات میں شین سے ہے یعنی موشی۔ عبرانی زبان میں مو پانی کو کہتے ہیں اور شی لکڑی کو کہتے ہیں چونکہ حضرت موسیٰؑ بچپن میں دریا میں پانی اور لکڑی کے درمیان ملے تھے (کہ ان کی والدہ نے فرعون کے ڈر سے انہیں ایک لکڑی کے صندوق میں رکھ کے دریا میں ڈال دیا تھا) اس لیے ان کا نام موشی رکھ دیا گیا' اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ عین سین

قاف حروف عشق ہیں جن کا ذکر قرآن میں موجود ہے۔[۴۱]

حضرت علی ہجویریؒ کی نظر میں خداوند تعالیٰ کی ذات مدرک ومحسوس نہیں یعنی ذات حق ہمارے ادراکات ومحسوسات سے برتر ہے، پس مخلوق کا خدا سے عشق کرنا درست نہیں۔

اردشیر العبادیؒ مولف صوفی نامہ کی نظر میں بھی اللہ کے لیے لفظ عشق کا اطلاق نہیں کرنا چاہیے اور کسی کو یہ زیب نہیں دیتا کہ خدا سے محبت یا دوستی کو عشق کا نام دے کہ قرآن میں اور احادیث میں محبت اور خلّت کے الفاظ آتے ہیں، محبت خلت سے شریف تر ہے۔ کیونکہ محبت خلّت کی انتہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خلّت کو حضرت ابراہیمؑ سے اور محبت کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت دی ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیا میں افضل ترین ہیں۔ جو لوگ خدا سے محبت کرتے ہیں خدا ان سے محبت کرتا ہے اور خدا کی محبت ہی سے بندگان خدا کی محبت جنم لیتی ہے یعنی جذبۂ انسان دوستی پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یُحِبُّھُمْ وَ یُحِبّونَه (سورہ ۵، آیت ۵۴) یعنی اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے۔ صوفیہ اس آیت کے حوالے سے ایک نکتہ پیدا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یحبھم ویحبونه' میں اللہ کی محبت سابق ہے، سو جس سے وہ محبت کرتا ہے اسی کو اس سے محبت کرنے کی توفیق ملتی ہے۔[۴۲]

بقول حضرتِ قشیریؒ اور حضرت علی ہجویریؒ لفظ محبت حبہ سے ماخوذ ہے حبہ کا لفظ حا کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ حبہ کے معنی بیج کے ہیں پس حبہ سے حب بنا چونکہ زندگی

کی بنیاد بیج' حب ہے کہ حبہ جب زمین پر گرتا ہے مٹی میں چھپ جاتا ہے' بارش اس پر پڑتی ہے' سورج اس پر چمکتا ہے' سردی وگرمی اس پر گزرتی ہے' وہ بیج زمانے کے تغیر سے متغیر نہیں ہوتا بلکہ جب موسم آتا ہے تو زمین سے اگتا ہے اور پھل اور پھول پیدا کرتا ہے۔ اسی طرح جب حب دل میں بیٹھ جاتی ہے تو حضور وغیبت' بلا ومصیبت' راحت ولذت اور فراق ووصال سے متغیر نہیں ہوتی نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ لفظ محبت جبی سے ماخوذ ہے اور جبی وہ کنواں ہے جس میں بہت پانی ہو بلکہ پانی سے لبالب بھرا ہو۔ اسی طرح محبت جب کسی کے دل میں بیٹھ جاتی ہے تو اس کا دل بھر جاتا ہے وہ پھر سوائے دوست کی باتوں کے کسی چیز کو پسند نہیں کرتا' اور یہ بھی کہتے ہیں کہ حب گھڑونچی کو کہتے ہیں جس پر گھڑے رکھے جاتے ہیں اس لیے حب کو حب کہتے ہیں کہ محبّ کو عزت وذلت اور رنج وراحت اور بلا ووفا وجفا کی پروا نہیں ہوتی جس طرح گھڑونچی کو گھڑا رکھنے سے کوئی گرانی نہیں ہوتی ____ ابویزیدؒ کہتے ہیں کہ سچی محبت یہ ہے کہ اپنی بہت سی محبت کو تھوڑی اور دوست کی تھوڑی محبت کو بہت جانے ____ محبت کی ایک قسم وہ ہے جو مَیل وہوا پر مبنی ہوتی ہے یہ مخلوق سے کی جاتی ہے' محبت کے دوسرے معنی احسان کے ہیں یعنی خدا سے محبت' بعض کے خیال میں بندہ کا عشق اللہ تعالیٰ سے جائز نہیں چونکہ عشق حد سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں اور خداوند تعالیٰ کی حد نہیں' وہ محدود نہیں ہے۔ ۴۳؎

مولانا جلال الدین دوانیؒ نے اپنی کتاب اخلاق جلالی کے تیسرے باب

میں محبت وعشق کے باب میں تفصیلاً بحث کی ہے جو خاصی پرلطف بھی ہے اور فکر انگیز بھی۔اس بحث کا خلاصہ کچھ یوں ہے۔

حکمائے متقدمین کہتے ہیں کہ موجودات کا انتظام اوران کا قیام محبت پر ہے اور کوئی وجود محبت سے خالی نہیں ہے۔محبت ظلِ وحدت ہے'اسی سے بقا اور کمال وابستہ ہے اور غلبہ جو کہ کثرت کی ایک شاخ ہے نقص وخلل کا سبب ہے۔حکما کی نظر میں محبت کائنات کے ذرے ذرے میں جاری وساری ہے۔

سرِ حب ازلی در ہمہ اشیا ساریست ورنہ بر گل نزدی بلبل بیدل فریاد

یعنی ازلی محبت کا راز ہر چیز میں ہے ورنہ بلبل گلاب کے پھول پر فریاد نہ کرتی

غیر ذی عقول کی باہمی محبت ونفرت کو میل وحرب (یعنی رغبت وجنگ) کہتے ہیں'لوہے اور مقناطیس کی باہمی کشش اور پتھر اور سرکہ کی نفرت کو میل وحرب اور حیوانات کی رغبت اور منافرت کو الفت ونفرت کہتے ہیں۔محبت کی دو قسمیں ہیں: ایک طبعی جیسے ماں کی محبت بیٹے سے اور دوسری محبت ارادی جیسے استاد کی محبت شاگرد سے'محبت ارادی چار قسم کی ہے: (۱) جلد پیدا ہو' جلد ختم ہو جائے۔(۲) دیر سے پیدا ہو' دیر تک قائم رہے۔(۳) دیر سے پیدا ہو' جلد ختم ہو جائے۔(۴) جلد پیدا ہو اور دیر تک قائم رہے۔

محبت کے چند مراتب ہیں:

۱۔ خدا کی محبت جو نیکیوں اور کمالات کا سرچشمہ ہے' یہ صرف عارف باللہ کو حاصل ہوتی ہے' جس کا درجہ سب سے بلند ہے۔

۲۔ محبت والدین ہے چونکہ والدین اولاد کے ظاہری وجود کا سبب ہیں لیکن شاگرد کی محبت استاد کے ساتھ والدین سے بڑھ کر ہونی چاہیے کیونکہ باپ صرف وجود ظاہری کا سبب ہے اور استاد کمال وتربیت روحانی کا موجب ہے اسی لیے استاد کو پدر روحانی کہتے ہیں، جس طرح روح کو جسم پر شرف ہے اسی طرح استاد کو باپ پر فضیلت ہے۔ سکندر سے لوگوں نے پوچھا کہ باپ سے زیادہ محبت کرتے ہو یا استاد سے، اس نے جواب دیا کہ استاد سے، چونکہ باپ نے فانی زندگی عطا کی اور استاد نے حیات ابدی بخشی اور حدیث میں بھی استاد کی فضیلت آئی ہے۔ **ابوک ثلاثہ من ولدک ومن علمک ومن زوجک وخیر آباء من علمک.** یعنی تیرے تین باپ ہیں: جس نے تجھے زندگی دی، جس نے تجھے علم دیا (استاد)، جس نے تجھے بیوی دی (سسر) اور ان تینوں میں استاد سب سے بہتر باپ ہے۔ جب معلم کی محبت اس درجہ ہے تو استاد حقیقی یعنی رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے راہ راست دکھائی ان کی محبت خدا کے بعد سب سے زیادہ ہونی چاہیے۔ خلفائے راشدین اور اماما نِ دین کی محبت کا درجہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہے۔

۳۔ بادشاہ کی اپنی رعایا سے محبت اور رعایا کی اپنے بادشاہ سے محبت

۴۔ آشناؤں اور شرکاء کار کی محبت۔

خدا کی محبت بندگی سے، پیغمبروں اور امامان دین کی محبت پابندی شریعت

سے حاصل ہوتی ہے۔ بادشاہوں کی محبت فرمانبرداری سے، والدین کی محبت خدمت و تعظیم سے اور عام لوگوں کی محبت نرمی اور میل جول سے پیدا ہوتی ہے۔

جلال الدین دوانیؒ کی نظر میں اس کائنات میں ذرے سے لے کر آفتاب تک ہر شے کا وجود محبت ہی کا مرہون منت ہے۔ ذات حق یا ذات احدیت سے سب سے پہلے جو چیز شہود و ظہور میں آئی وہ جوھر بسیط نورانی تھا جسے حکما عقل اول کہتے تھے اور احادیث میں جسے علم اعلیٰ بھی کہا گیا ہے اور صوفیہ اسے حقیقت محمدیہ یا نور محمدیہ کہتے ہیں، اسی سے تمام موجودات کا ظہور و شہود ہوا، اسی سے درجہ بدرجہ عناصر اور موالید ثلاثہ وجود میں آئے تا آنکہ انسان جو کہ اشرف المخلوقات ہے وجود میں آیا۔ گویا کائنات اس حدیث کی روشنی میں **کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف فخلقت الخلق** محبت کے ذریعے ہی سے وجود میں آئی ہے اور تمام موجودات در حقیقت حرکت حبی ذاتی کا سایہ ہیں، جسے صوفیہ تجلی ذاتی کہتے ہیں۔[۴۴]

محبت اخلاق جہانگیری کے مصنف کی نظر میں:

محبت سے مراد ہے جمیل حقیقی کا اپنے جمال کی جانب میل اور یہ چار نوع کا ہے:

۱۔ محبت از جمع بہ جمع یعنی کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے خداوند تعالیٰ کا اپنی ذات کے آئینے میں خود اپنے حسن کا مشاہدہ کرنا اور جمالِ کمال سے عشق کرنا۔

۲۔ محبت از جمع بہ تفصیل یعنی خداوند تعالیٰ کا کائنات کے مظاہر میں اپنے حسن

کے عکس کا مشاہدہ کرنا اور اپنی صفات کمال کا مطالعہ کرنا۔

۳۔ محبت از تفصیل بہ تفصیل یعنی انسان کا جمال مطلق کے عکس کو حسن (کائنات کے مظاہر یا انسانوں) میں مشاہدہ کرنا' اور اسے ہی مقصود سمجھنا۔

۴۔ محبت از تفصیل بہ جمع یعنی انسان کا حسن ذات حق سے محبت کرنا اور ماسوا سے رشتہ منقطع کر لینا۔

شیخ جمالی کہتے ہیں:

زاہد بہ طعنہ گفت کہ روی بتان مبین ای بے تمیز دیدۂ بینا برای چیست؟

امروز چون جمال تو بی پردہ ظاہر است در حیرتم کہ وعدۂ فردا برای چیست؟

یعنی زاہد نے بطور طعنہ کہا کہ بتوں (حسینوں) کا چہرہ نہ دیکھو' اس سے کہو کہ اے بے تمیز آخر یہ دیکھنے والی آنکھ اللہ تعالیٰ نے کس لیے پیدا کی ہے؟___ اے دوست آج تیرا حسن بغیر پردہ کے روشن ہے میں حیران ہوں پھر وعدۂ فردا کس لیے ہے؟[۴۵]

صوفیہ کی نظر میں عشق وجہ شرف انسانی بھی ہے' خلافت و امانت الٰہی سے مراد بھی عشق ہی ہے۔ عشق مذہب و ملت کی تفریق مٹا دیتا ہے اور انسان کو وحدت کی لڑی میں پرو دیتا ہے۔ مذہب عشق' وحدت انسانی اور انسان دوستی ہے۔ عشق کرنا گناہ نہیں بلکہ سب سے بڑا گناہ دل آزاری ہے۔ عاشق صادق عشق کے سودے میں ترک مال' ترک دنیا' ترک دین' ترک نسب' ترک عقل' ترک نام و ننگ کرتا ہے بلکہ اس سودے میں ترکِ جان بیعانے کے طور پر پیش کرتا ہے۔ عشق درد وغم ابدی کا نام

ہے' یہ ایسا درد ہے جو خود ہی دوا بھی ہے۔

عشق دو قسم کا ہے: (ا) مجازی (٢) حقیقی۔ عام طور پر انسان کا انسان سے عشق ہو تو اسے عشق مجازی یا فسادِ گندم کہتے ہیں اور وہ عشق جو خدا سے ہو اسے عشق حقیقی کہا جاتا ہے' البتہ اگر انسان سے محبت میں جذبۂ خلوص کارفرما ہو اور محبت بے لوث ہو' خواہشات سے پاک ہو تو اسے بھی عشق حقیقی کہتے ہیں' چونکہ ایسا عشق انسان میں اعلیٰ اخلاق پیدا کرتا ہے کہ عاشق معشوق کے علاوہ ہر چیز سے تعلق توڑ کر صرف معشوق سے تعلق جوڑ لیتا ہے اور اس کے لیے اپنی ذات کی قربانی سے بھی دریغ نہیں کرتا' یوں اس میں جذبہ ایثار اور دوسری اعلیٰ صفات پیدا ہو جاتی ہیں کہ پہلے اگر بخیل و بزدل تھا تو عشق کے بعد بہادر اور فراخ دل بن جاتا ہے اور یہ عشق انسان کے لیے عشقِ حقیقی یعنی عشق حق کو پانے کا سبب بن جاتا ہے' کہتے ہیں کہ المجاز قنطرة الحقيقت ____ عشق کا حسن سے بنیادی تعلق ہے کہ حسن ہی سے عشق کیا جاتا ہے خواہ وہ حسن ظاہری ہو یا باطنی' یوں حسن عشق کو وجود بخشتا ہے اور خدا کا حسن سب سے برتر ہے کہ الله جميل ويحب الجمال ____ بعض صوفیہ حسن کی پرستش کو حق سمجھتے ہیں اور حسن رخ کو جلوہ حق خیال کرتے ہیں' اس لیے وہ جہاں کسی حسین کو دیکھتے اس کے حضور وہ فوراً سجدہ میں گر جاتے تھے۔ اس فرقے کے بانی ابوسلمان دمشقی " (قرن سوم) تھے ____ شاید اسی عقیدے کے زیر اثر صوفیہ نے شاہد اور حجت کو حسین چہرے کے معنوں میں لیا ہو۔ وہ صوفی حضرات جو شاہد پرست ہوئے ان میں احمد غزالی'

عین القضاۃ ھمدانی، فخر الدین عراقیؒ اور اوحدالدین کرمانیؒ زیادہ مشہور ہیں۔

عشق مجازی یا وہ عشق جو صرف خواہشات کے لیے ہو اسے صوفیہ کی نظر میں بے حد مذموم سمجھا جاتا ہے۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ جو عشق رنگ روپ کے لیے ہو باعث شرم ہے:

عشق ہائے کز پی رنگی بود   عشق نبود عاقبت ننگی بود

البتہ عشق مجازی اگر پاک اور بے لوث ہو تو وہ بھی عشق حقیقی کا سبب بن سکتا ہے۔ رومیؒ نے اس عشق کو لکڑی کی تلوار سے تشبیہ دی ہے جس سے تلوار چلانا سکھایا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مجاز حقیقت کا پل ہوتا ہے۔ المجاز قنطرۃ الحقیقہ ____
عشق حقیقی سے مراد ذات حق سے محبت و عشق ہے، یہی تصوف کی روح ہے اور بقول رومیؒ تمام بیماریوں کا علاج ہے، رومیؒ اسی عشق کے بارے میں فرماتے ہیں، اے عشق تو ہماری تمام بیماریوں کا معالج ہے، تو ہی ہمارے لیے افلاطون اور جالینوس ہے اور تو ہی ہمارے غرور اور تکبر کی دوا ہے:

مرحبا ای عشق خوش سودای ما   ای طبیب جملہ علتہائی ما

ای تو افلاطون و جالینوس ما   ای دوای نخوت و ناموس ما[۴۶]

تصوف میں عشق اپنے معنی اور مفہوم کے حوالے سے چند پہلو رکھتا ہے:

(۱) کائنات کی حقیقت اولیٰ اور سبب تخلیق کائنات ہے (۲) لطیف ترین اور پاکیزہ ترین جذبہ ہے (۳) عرفان حق کا واحد ذریعہ ہے (۴) عشق کے مقابلہ

میں عقل عاجز وفرومایہ ہے کہ (الف) عقل حقیقت مطلق کا ادراک کرنے سے قاصر ہے (ب) عام معاملات میں ذاتی مفاد سے دستبردار نہیں ہوتی۔ (ج) محبت ذات سے بے نیاز نہیں ہوتی یعنی انا کو یا انانیت کو ترک نہیں کرتی ___ بوعلی سینا کی نظر میں عشق بنی نوع انسان سے مخصوص نہیں بلکہ تمام موجودات میں جاری و ساری ہے[۴۷] ___ صوفیہ میں عشق الٰہی کے باب میں سب سے پہلے عبدالواحد بن زید (وفات ۱۷۷ھ) نے بات کی تھی، ان کا قول ہے کہ رضا عشق الٰہی کی ابتدا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ رابعہ بصریؒ (وفات ۱۳۵ھ) نے بھی محبت کے باب میں جو کچھ کہا ہے وہ عشق کا مقدمہ ہے۔

ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ عشق الٰہی کی علامت یہ ہے کہ حبیب خداؐ کی متابعت کی جائے اخلاق میں بھی، افعال میں بھی اور احکام میں بھی[۴۸] ___ عبداللہ محمد فضلؒ کا قول ہے کہ محبت ایثار کا نام ہے اور اس کے معنی ہیں: (۱) ہمیشہ ذکر حق کرنا (۲) ذکر حق سے محبت کرنا (۳) ماسوائے اللہ ہر چیز کو چھوڑ دینا (۴) ہر چیز کو چھوڑ کر محبت خدا کو چن لینا[۴۹] ___ ایک صوفی کا قول ہے کہ محبت (عشق) موافقت کو کہتے ہیں، یعنی احکام خداوندی کی اطاعت کرنا اور تقدیر پر راضی رہنا[۵۰] ___ کسی کا قول ہے کہ محبت آدمی کو اندھا اور گونگا بنا دیتی ہے حبک لشیٔ یعمی و یصم حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے محبت کے بارے میں سوال کیا، آپ نے فرمایا کہ محبت یہ ہے کہ عاشق اپنی صفات ترک کر کے محبوب کی صفات قبول کر لے اور اللہ تعالیٰ

کے اس ارشاد کا بھی یہی مفہوم ہے ''جب میں اس سے (اپنے بندے سے) محبت کرتا ہوں تو میں اس کی سماعت اور بینائی بن جاتا ہوں''۔ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا قول ہے کہ اس قسم کی محبت دراصل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعریف وتشریح ہے کہ تخلقوا باخلاق الله یعنی اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے سانچے میں ڈھل جاؤ۔

جلال الدین محمود تھانیسریؒ کہتے ہیں کہ طالبان حق تین قسم کے ہیں: (۱) عبادِ اخیار' (۲) زھادِ ابرار' (۳) عشاقِ شطار' عشاقِ شطار عبادت وریاضت میں انہماک کی بجائے قلبی کیفیات پر توجہ دیتے ہیں' ان کی نظر میں دونوں جہان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی' وہ صرف اللہ کے لیے زندگی گزارتے ہیں' کہا جاتا ہے کہ العشق نار فی القلوب تحرق ماسوی المحبوب یعنی عشق دل میں ایک ایسی آگ ہے جو محبوب کے سوائے ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ ویسے بھی شطاری جماعت کے لوگ توجہ الی اللہ اور اعراض ماسوا اللہ پر زور دیتے ہیں۔[۵۱]

احمد غزالیؒ ''سوانح'' میں فرماتے ہیں کہ معشوق ہر حال میں معشوق ہے کیونکہ اس کی صفت استغنا ہے اور عاشق ہر حال میں عاشق ہے کیونکہ اس کی صفت فقر ہے۔ عاشق کو دیدار معشوق درکار رہتا ہے اس لیے افتقار یعنی فقر اس کی صفت ہے اور معشوق کسی چیز کا محتاج نہیں ہوتا اس لیے اس کی صفت استغنا ہوتی ہے[۵۲] امام احمد غزالیؒ کہتے ہیں کہ ''نہایت علم ساحل عشق است''، یعنی علم کی انتہا عشق کی ابتدا ہے۔

عشق (حقیقی) باہمت ہوتا ہے وہ عالی صفت معشوق کو پسند کرتا ہے' جو اس کے دام وصال میں آسانی سے آجائے وہ اس کی نظر میں نہیں سماتا۔ وصال معشوق کا مرتبہ اور اس کا حق ہے' فراق عاشق کا مرتبہ اور اس کا حق ہے ___ ایک روز سلطان محمود کے محل میں ایک شخص نمک ہاتھ میں لیے گھس آیا اور آواز لگانے لگا کہ نمک لے لو نمک۔ سلطان محمود نے اس شخص کو پکڑوا کر اپنے پاس بلوایا اور اس سے تخلیہ میں پوچھا کہ یہ تمہیں کیا سوجھی کہ تم میرے محل میں نمک بیچنے آئے ہو' کیا تم دیوانے ہو؟ اس نے کہا' نمک بیچنا تو بہانہ تھا میں تو اپنے محبوب ایاز کی ایک جھلک دیکھنے آیا تھا۔ سلطان محمود نے کہا تم جیسے فقیر کی کیا مجال کہ مجھ ایسے بادشاہ کی برابری کرے' تمہارے پاس اتنی بڑی سلطنت ہے جتنی میرے پاس ہے؟ اس نے کہا جناب بات کو کیا طول دینا جو مال و دولت آپ کے پاس ہے "ساز وصال" تو ہے "ساز عشق" نہیں۔ ساز عشق "دل سوختہ" ہے جو بفضل خدا بہ تمام وکمال اس فقیر کے پاس ہے ___ ایک عاشق ہر روز رات کو اپنے محبوب سے ملنے دریا کو پار کر کے جایا کرتا تھا ایک رات گیا تو اس نے محبوبہ کے چہرے پر تل دیکھا' پوچھا کہ تمہارے رخسار پر یہ تل کہاں سے آیا؟ اس نے کہا یہ تو پیدائشی ہے اور عاشق سے یہ بھی کہا کہ تم آج رات دریا کے ٹھنڈے پانی میں نہ اترنا۔ وہ دریا کے ٹھنڈے پانی میں اترا تاکہ دریا پار کرے' لیکن دریا سے زندہ نہ نکلا۔ کیونکہ بے خودی سے خودی میں آ گیا تھا' اسی لیے محبوبہ کے چہرے پر خال (تل) دیکھا تھا' اس بار جب سرد پانی میں گیا تو جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔[۵۳]

عین القضاۃ ہمدانیؒ کہتے ہیں، عشق ایک آگ ہے جہاں یہ پہنچتی ہے ہر چیز کو جلا دیتی ہے اور اپنے رنگ میں رنگ دیتی ہے۔ راہ عشق میں وہی قدم رکھ سکتا ہے جو خود کو قربان کر دے ۵۴۔ روز بہان شیرازیؒ کہتے ہیں کہ حقیقت عشق محبت ہے اور وہ دو طرح سے پیدا ہوتی ہے: (۱) معشوق کے دیکھنے سے (۲) معشوق کے انعام والتفات سے۔ پہلی صورت عمومی ہے اور دوسری خصوصی۔ جب محبت کمال کو پہنچتی ہے اسے شوق کہتے ہیں اور جب محبت استغراق کی حقیقت کو پا لیتی ہے تو عشق کہلاتی ہے ۵۵۔

سیف الدین باخرزیؒ کی نظر میں عشق کی بازی میں کسی صورت نقصان نہیں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے، جیت گئے یعنی وصل دوست سے بہرہ ور ہوئے تو سعید کہلائے اور جان کی بازی ہار گئے تو شہید کہلائے۔ عاشق کی زندگی سرمایۂ سعادت ہے، اس کی موت پیرایۂ شہادت، عشق کی راہ میں پہلی منزل دل دینا ہے اور دوسری منزل بطور شکرانہ جان دینا ہے۔ عشق خود آتا ہے، اسے بلایا یا سیکھا نہیں جاتا۔

ای بے خبر از سوختہ و سوختنی — عشق آمدنی بود نہ آموختنی ۵٦

عین القضاۃ ہمدانیؒ ہی اپنی تالیف رسالہ لوائح میں فرماتے ہیں کہ عقل عشق کی رہبر ہے اور عشق آفتاب ہے اور عقل ذرہ ہے ۵۷۔ حسین منصورؒ سے کسی نے پوچھا لذت عشق کب کمال کو پہنچتی ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ جب معشوق عاشق کو قتل کرنے کے لیے بلاتا ہے اور عاشق اس کے جمال میں محو حیرت زدہ ہوتا ہے:

او برسر قتل و من در او حیرانم — کان راندن تیغش چہ نکو می راند

شیخ اشراق شہاب الدین سہروردی مقتولؒ کہتے ہیں کہ اللہ میاں نے سب سے پہلے جس چیز کو پیدا کیا وہ گوھر عقل تھا(اول ماخلق الله العقل) جو دراصل ایک تجریدی نور ہے' اس گوہر عقل کو اللہ تعالیٰ نے تین صفات سے مرصع فرمایا: ایک خدا کی شناخت' ایک اپنی ذات کی شناخت' ایک عدم اور وجود کی شناخت سے' جس صفت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی شناخت سے ہے اس سے حسن وجود میں آیا' اصفیا اسے نیکی کہتے ہیں گویا بقول کیٹس:

Beauty is truth and truth Beauty

اس صفت سے جس کا تعلق اپنی ذات کی شناخت سے ہے' عشق ظاہر ہوا' اور وہ صفت جس کا تعلق عدم و وجود کی شناخت سے ہے اس سے غم ظاہر ہوا' حسن بڑا بھائی ہے اس نے اپنے اندر جھانکا خود کو عظیم وخوبتر پایا' اس پر وہ مسکرایا' اس کے تبسم سے ہزار ہا مقرب فرشتے عالم وجود میں آئے۔ عشق جو منجھلا بھائی ہے اس سے پیار کرنے لگا۔ تبسم حسن پر عشق مضطرب ہوا اور اس نے چاہا کہ متحرک ہو' غم جو سب سے چھوٹا بھائی تھا اس سے الجھ پڑا۔ اس آویزش سے زمین وآسمان وجود میں آئے۔ ۵۸ؔ

عراقی لمعات میں فرماتے ہیں کہ عاشق اپنی بود و نابود کے ساتھ خلوتخانۂ شہود میں آرام سے تھا کہ ابھی تک چہرۂ معشوق نہیں دیکھا تھا لیکن جونہی نغمۂ کن سنا' وہ خواب عدم سے جاگا' اس نغمہ کو سن کر وہ وجد میں آ گیا اور اس وجد سے اس نے وجود کو پایا' یوں عشق انسان کی فطرت میں سما گیا۔ پس عاشق ہمیشہ رقص وحرکت میں ہے۔

اگر چہ بظاہر ساکن ہے لیکن حقیقت میں ہر وقت وجد ورقص میں رہتا ہے اور ساکن ہو بھی کیسے سکتا ہے کہ کائنات کے ذرّے ذرّے کا وہ محرک ہے‘ چونکہ ہر ذرّہ ایک کلمہ ہے‘ ہر کلمہ کا ایک نام ہے اور ہر نام کی اپنی ایک زبان ہے اور ہر زبان کا اپنا ایک قول ہے اور ہر قول کے لیے محبّ کی جانب سے ایک کان ہے اور اگر غور سے سنو تو بولنے والے اور سننے والے کو ایک ہی پاؤ گے ___ حضرت جنیدؒ نے شبلیؒ سے کہا تھا کہ وہ راز جو ہم تہ خانوں میں کہتے تھے‘ تم نے منبر پر آشکار کر دیا‘ شبلیؒ نے کہا **انا اقول وانا اسمع وهل فی الدارین غیری** یعنی میں ہی بولتا ہوں‘ میں ہی سنتا ہوں کیا میرے سوا بھی دونوں جہان میں کوئی اور ہے؟ ۵۹ ___ عشق ایک آگ ہے کہ جب دل میں آجائے تو ہر چیز کو جلا ڈالتی ہے یہاں تک کہ محبوب کی صورت کو بھی محو کر دیتی ہے‘ مجنون یعنی قیس عامری یہی آگ رکھتا تھا‘ لوگوں نے اس سے کہا کہ دیکھو لیلیٰ آگئی‘ اس نے کہا لیلیٰ کہاں سے آگئی میں خود لیلیٰ ہوں‘ یہ کہا اور پھر بے خودی کے عالم میں ڈوب گیا۔ ۶۰

حضرت رابعہ بصریؒ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ خدا کو دوست رکھتی ہیں؟ جواب دیا ہاں۔ لوگوں نے پوچھا کیا شیطان کو دشمن رکھتی ہیں؟ جواب دیا نہیں‘ لوگوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا محبت رحمٰن میں عداوت شیطان کی پروا نہیں۔ ۶۱ اور فرمایا کہ میں نے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا‘ انہوں نے فرمایا اے رابعہ کیا تم مجھ سے محبت کرتی ہو؟ میں نے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کون ہے جو آپ

سے محبت نہ رکھتا ہو؟ لیکن حق کی محبت میں اس طرح محو ہوں کہ کسی اور کی دوستی اور دشمنی کا خیال ہی نہیں ۶۲۔ کہتے ہیں کہ شبلی بغداد کی ایک مجلس صوفیہ میں وعظ کہہ رہے تھے اور اکثر آہ بھر کے اللہ کہتے تھے۔ایک نوجوان نے پوچھا کہ آپ لاالہ الا اللہ کیوں نہیں کہتے؟ شبلی نے کہا حضرت صدیق اکبرؓ نے جب تمام مال اللہ کے نام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ اپنے عیال کے لیے کیا چھوڑا؟ تو حضرت صدیق اکبرؓ نے جواب دیا' اللہ کو' میں بھی وہی کہتا ہوں۔نوجوان نے کہا اس سے بہتر جواب دیجئے۔فرمایا کہ میں حضور حق میں ہوں اور کلمہ نفی زبان پر لاؤں؟ (یعنی یہ مناسب نہیں) نوجوان نے کہا کہ اس سے بہتر جواب چاہتا ہوں' فرمایا ڈرتا ہوں کہ اس سے پہلے کہ اقرار تک پہنچوں انکار میں نہ مر جاؤں۔ نوجوان نے کہا کہ کوئی جواب اس سے بھی' بہتر ہونا چاہیے فرمایا' اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے فرمایا قُلِ اللّٰهُ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ (سورہ ۶' آیت ۹۱) یعنی آپ کہیے اللہ' پھر ان کو ان کے مشغلہ میں بے ہودگی کے ساتھ لگا رہنے دیجئے' یہ سن کر نوجوان نے نعرہ مارا اور روح اس کے قفس عنصری سے پرواز کر گئی۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز ایک خوبصورت عورت منہ کھولے ہوئے ننگے سر غصہ کی حالت میں میرے پاس آئی اور اپنے شوہر کا شکوہ کرنے لگی' میں نے کہا کہ پہلے تم اپنا چہرہ ڈھانپو' اس نے کہا کہ میں شوہر کی محبت میں دیوانی ہوگئی۔اگر آپ آگاہ نہ کرتے تو میں اسی طرح بازار چلی جاتی اور مجھے بالکل بھی

احساس نہ ہوتا لیکن یہ عجیب بات ہے کہ آپ کو عشق الٰہی کا دعویٰ بھی ہے اس کے باوجود بھی آپ اپنے حواس پر قائم ہیں۔ آپ اتنے ہوش وحواس رکھتے ہیں کہ میرا کھلا ہوا چہرہ آپ کو نظر آ گیا!___ کسی نے شیخ شبلیؒ سے سوال کیا کہ کیا وجہ ہے کہ جو محبت الٰہی کا دعویٰ کرتا ہے، خداوند تعالیٰ اسے تازیانۂ بلا سے سزا دیتا ہے اور مصائب وآلام میں مبتلا کر دیتا ہے؟ فرمایا اس لیے کہ ہرا یرا غیرا اس کی محبت کا دعویٰ نہ کرتا پھرے___ کسی نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ بایزید نے **سبحانی ما اعظم شانی** کہا اور حسین منصور نے انا الحق، دونوں نے تقریباً ایک ہی بات کہی لیکن منصور کو سزائے صلیب ملی اور بایزیدؒ کو کچھ نہیں کہا گیا۔ فرمایا کہ بایزیدؒ نے حق کے نام کی تعظیم کی اور سبحانی کو پہلے لائے جب کہ حسین نے مستی عشق میں ادب کو ملحوظ نہ رکھا اور انا کو پہلے لایا۔ غیرت حق جوش میں آئی اور انانیت کو کلی طور پر مٹا دیا۔

عشق کے موضوع پر فارسی زبان میں بہت سی کتابیں موجود ہیں جن میں اہم تصانیف شیخ بوعلی سینا کا رسالہ عشق، شیخ احمد غزالی کی کتاب سوانح، سنائی غزنوی کا عشق نامہ، شیخ شہاب الدین مقتولؒ کا ''رسالۂ عشق وعقل سرخ''، شیخ سعدی کا رسالۂ عقل وعشق، لوائح جامی اور لوائح عین القضاۃ ہمدانی اور ''لمعات عراقی'' وغیرہ ہیں___ ان تمام کتابوں میں عام طور پر عقل کی نارسائی اور عشق کی سیادت کا بیان اور عشق کی متصوفانہ رنگ میں تعریف وتوصیف ہے لیکن اس سوال کا جواب جو انسانی ذہن میں عام طور پر ابھرتا ہے کہ عقل تو وجہ شرف انسانی ہے، قرآن واحادیث بھی اس

حقیقت کی تائید کرتے ہیں' فقہ اسلامی کی بنیاد بھی ایک حد تک عقل پر ہے' تو پھر عقل و دانش کو مردود کیسے ٹھہرایا جاسکتا ہے؟ ان کتابوں میں نہیں ملتا۔ غالباً فارسی ادب میں پہلی کتاب جو اس سوال کا اور چند اور متعلقہ سوالات کا جواب استدلال سے دیتی ہے' وہ ہے شیخ نجم الدین رازیؒ کی کتاب رسالہ فی العشق والعقل۔ ان سوالات کے جواب کی یوں صورت پیدا ہوئی کہ شیخ نجم الدین رازی کے ایک مرید نے شیخ سے ایک روز یوں کہا کہ مرشد مکرم! یہ فرمایئے کہ کمالِ عشق اور کمالِ عقل میں کیا فرق ہے' کیا دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں؟ حالانکہ یہ بھی ہے کہ کمال عقل کے ساتھ ہی کمال عشق ممکن ہے' اس کے علاوہ عقل تو تمام موجودات کی اصل ہے' اس حقیقت کی روشنی میں عقل کو عشق کی ضد کیسے قرار دیا جاسکتا ہے اور ویسے بھی عقل کی سیادت مسلّم ہے کہ عقل ہی تو وجہ شرف انسانی ہے۔ شیخ نے جواباً رسالہ فی العشق والعقل تحریر فرما کر جواب دیا جو مختصراً کچھ یوں ہے:

انسان جو اشرف المخلوقات ہے اسے نور عقل' نور شریعت اور نور عشق عطا ہوا ہے۔ نور عقل میں سب انسان شریک ہیں' نور شریعت سے اہل دین بہرہ ور ہیں اور نور عشق صرف انبیاء اور اولیا کو عطا ہوتا ہے۔ نور عقل سے دنیا اور دنیا کے معاملات سنوارے جاسکتے ہیں' نور شریعت سے آخرت کا حصول وابستہ ہے اور نور عشق سے عرفان حق حاصل ہوتا ہے۔ اگر عقل نفسانی خواہشات سے مغلوب ہوجائے تو ابلیسیت کا رنگ اختیار کرلیتی ہے اور یوں وہ عقل جس نے انسان کو اشرف المخلوقات کا

درجہ عطا کیا تھا اسے ارذل المخلوقات بنا دیتی ہیں۔ نیز یہ کہ عقل سے ہم عرفان حق حاصل نہیں کر سکتے کیونکہ عقل حادث ہے، مخلوق ہے، حواس کی محتاج ہے، وہ اشیا کا علم لاکماھی (یعنی اشیا کا ظاہری علم) تو حاصل کر سکتی ہے اس سے علم کماہی (یعنی علم حقیقت اشیا) کا حصول ممکن نہیں۔ جب کہ عشق قدیم ہے، صفت حق ہے اور عقل سے برتر ہے یہ فیض الٰہی یا نور اللہ بلا واسطہ حاصل ہوتا ہے قُل اِن کُنتُم تُحِبونَ اللّٰہَ فَاتَّبِعونی یُحبِبکُمُ اللّٰہ (سورہ ۳، آیت ۳۱) اور اَلَستُ بِرَبِّکُم (سورہ ۷، آیت ۱۷۲) اور کنت کنزا مخفیا اسی فیضِ ربانی کی بنیاد ہیں۔ انہی معنوں میں عقل کو عشق کی ضد کہا گیا ہے ___ کمال عشق کمال عقل کے ساتھ وابستہ ہے۔ حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم تمام موجودات میں عاقل ترین اور عاشق ترین ہیں کیونکہ آپ کی ذات والا صفات میں نور عقل کامل ترین اور لطیف ترین تھا، اس لیے فیض عشق قبول کرنے میں درجہ کمال حاصل کیا اور مرتبہ اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم (سورہ ۵، آیت ۳) پایا البتہ یہ ضروری نہیں کہ جس میں نور عقل جتنا زیادہ ہو اس میں نور عشق بھی اتنا ہوگا۔ یہ خداوند تعالیٰ کی عطائے خاص ہے، جو صرف خاصان حق ہی کو عطا ہوتی ہے کہ فرمان حق ہے یَھدِی اللّٰہُ لِنُورِہٖ مَن یَّشآء (سورہ ۲۴، آیت ۳۵)۔ ۶۳

علامہ اقبالؒ کے تصورات عشق وعقل:

عشق وعقل کے بارے میں علامہ اقبال کے تصورات بہت ہی بدیع اور فکر انگیز ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے خطبات اور اشعار میں عشق وعقل کے موضوع پر

مختلف جہتوں سے روشنی ڈالی ہے اور تصور عشق کو نئے معانی اور مفاہیم عطا کیے ہیں اور اس کے بہت سے پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ ان کی نظر میں عشق عقل سے افضل و برتر ہے۔ کیونکہ عقل ادراک حقیقت میں عاجز ہے جب کہ عشق حقیقت کا کما حقہ ادراک کر سکتا ہے۔ علامہ نے عشق کو بڑے وسیع معنوں میں استعمال کیا ہے' ان کے نزدیک عشق بقول خلیفہ عبدالحکیم' ایک میلان بقا و ارتقا بھی ہے اور اعلیٰ مقاصد کی لگن کا نام بھی۔ اور بقول آل احمد سرور علامہ کی نظر میں عشق وہ روحانی کیفیت ہے' جو وجدان سے تعلق رکھتی ہے جس میں جذبۂ تسخیر کائنات' جذبۂ تخلیق اور جذبۂ ارتقا تینوں پائے جاتے ہیں۔ علامہ کی نظر میں عشق ذوق نظر ہے' نور یقین ہے' تماشائے ذات ہے' سراپا حضور ہے' سکون و ثبات ہے' سوز و ساز ہے' گرمیِ حیات ہے' لذتِ تخلیق ہے' دمِ جبرئیل ہے' دلِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم ہے' صدقِ خلیلؑ ہے' صبر حسینؑ ہے' واقعۂ کربلا ہے اور معرکۂ بدر و حنین ہے۔

علامہ نے عقل کے بھی مختلف انداز پیش کیے ہیں اور اس پر کڑی تنقید بھی کی ہے۔ علامہ نے عقل کی سخت مذمت بھی کی ہے اور اسے ابولہب کہا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ علامہ کی نظر میں عقل یا علم و حکمت بالکل معتوب و مردود بھی نہیں بلکہ انہوں ے ان کی افادیت اور اہمیت کو نہایت دلکش اور موثر انداز میں پیش کیا اور دانش و حکمت کے حصول کی تلقین فرمائی ہے۔

علامہ اقبال کے تصورات عقل وعشق کا خلاصہ:

علامہ اقبال کی حقیقت شناس اور کلیت بین نظر میں مختصراً عقل وعشق کے مندرجہ ذیل پہلو ہیں:

۱۔ وہ عقل جو عام ضروریات زندگی پورا کرنے میں ہماری ممدومعاون ہے اور زندگی کے تحفظ کے لیے ایک آلے کی حیثیت رکھتی ہے' جو حواس کی دست نگر ہے اور تسخیر مقام رنگ وبو کے لیے ناگزیر ہے۔

۲۔ وہ عقل جو شر پر مبنی ہے یا بقول شیخ نجم الدین رازیؒ عقل جو خواہشات نفسانی سے مغلوب ہوجاتی ہے وہ اھرمنیت یا ابلیسیت کی ایک صورت ہے۔ علامہ نے اس عقل کو عشق کے ساتھ عام طور پر ابراہیمؑ ونمرود' موسیٰؑ و فرعون' حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابولہب کے تقابلی اشارات و تلمیحات وتمثیلات سے واضح کیا ہے۔

۳۔ عقل کا وہ پہلو جو فلسفہ اور منطق سے عبارت ہے جس کا سکہ الہیات میں نہیں چلتا وہ چراغ راہ تو ہے منزل نہیں ہے۔

۴۔ عقل کی ارتقا یافتہ شکل وجدان یا عشق ہے اور جسے علامہ نے دانشِ نورانی' دمِ جبرائیلؑ اور دلِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا ہے جس کی افادیت اور اہمیت سہ گونہ ہے: (۱) اس سے عقل حق شناس بنتی ہے۔

؎ زیرکی از عشق گردد حق شناس (۲) اسے ہی حقیقت اولیٰ کا ادراک حاصل ہے

(۳) یہی جہد و جستجو اور جوشِ عمل کا زبردست محرک ہے گویا عشق صدقِ خلیل بھی ہے تماشائے ذات بھی اور گرمی حیات بھی۔

علامہ اقبالؒ نے اس موضوع پر خطبات میں بھی اظہارِ خیال کیا ہے اور خاص طور پر مذہبی تجربہ وجدان یا عشق و اشراق پر روشنی ڈالی ہے۔ علامہ کی نظر میں وجدانی تجربہ ایک نادر تجربہ ہے جو اپنی مثال آپ ہے۔ اور بنیادی طور پر دوسرے تجربوں سے مختلف ہے جو نہ ادراک ہے اور نہ فکر۔ یہ قلبی بصیرت یہ ادراکِ فوادی یا وجدان و شہود حقیقت مطلق کے ادراک کامل کے لیے لازمی ہے کہ ادراک حسی کا تکملہ بھی وجدان و شہود سے ہوتا ہے جسے قرآن نے قلب یا فواد کہا ہے اور جس کی یہ صورتیں ہیں:

۱۔ وجدان حقیقت کا حضوری یعنی بلاواسطہ تجربہ ہے۔ اس میں حقیقت فی نفسہ کلی طور پر ہم پر منکشف ہوتی ہے۔

۲۔ وجدان قلب کی مخصوص صفت یا خاصیت ہے۔

۳۔ وجدان ناقابل تجزیہ کلیت ہے۔ اس تجزیہ میں ناقابل تقسیم وحدت ہوتی ہے اور صاحب تجربہ بھی اس وحدت میں غرق ہو جاتا ہے۔

۴۔ یہ ناقابل تجزیہ وحدت ایک یکتا ذات کے طور پر منکشف ہوتی ہے۔ یہ یکتا ذات ہماری اپنی ذات سے ماورا ہوتی ہے۔

وجدان چونکہ حقیقت کو بطور کلی درک کرتا ہے اور سرمدیت یعنی ازل سے ابد تک کو اپنی گرفت میں لیتا ہے اس لیے زمان میں تسلسل یا تواتر صاحب تجربہ کے

لیے وجود نہیں رکھتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علم اسے کہتے ہیں کہ جو دوسرے تک پہنچایا جاسکے جب کہ وجدانی تجربہ سے حاصل شدہ علم ناقابل ابلاغ ہوتا ہے، وہ علم عامہ کا سرچشمہ نہیں بن سکتا' اس لیے اسے علم کیسے کہا جائے؟ علامہ اقبالؒ کی رائے میں مذہبی تجربہ کے ناقابل ابلاغ ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مذہبی آدمی کی سعی وجستجو بے سود ہے۔ علم وجدانی کے ناقابل ابلاغ ہونے پر اعتراض کرنا بے معنی ہے' ہم اپنی ذات کا تجربہ بھی دوسروں کو نہیں پہنچا سکتے پھر بھی ہم اس تجربہ کے حامل ہوتے ہیں جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہماری ذات موجود ہے اور حقیقی ہے اور ہاں یہ بات کہ صوفیانہ تجربہ ناقابل ابلاغ ہوتا ہے' اس بنیادی صداقت کو ظاہر کرتی ہے کہ خودی کی اساسی ماہیت نادر و یکتا ہے اور جو چیز نادر و یکتا ہو قابل ابلاغ نہیں ہوتی۔ ویسے بھی عقل کے ذریعے سے ہم جو علم حاصل کرتے ہیں وہ اشیاء کے ظواہر کا علم ہوتا ہے' وہ صرف اضافات اور مشابہات پر مشتمل ہوتا ہے۔ وہ شے بذاتہ یا شے کماہی کا علم نہیں ہوتا۔ رہا یہ اعتراض کہ صوفیہ کے تجربات ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں مثلاً ایک صوفی شخصی خدا کے وجود کا اثبات کرتا ہے تو دوسرا وحدت وجود کا' یہ اختلافات ثابت کرتے ہیں کہ ان کے تجربات معروضی نہیں ہوتے بلکہ ان کے وہم وخیال کی تخلیق ہوتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مختلف صوفیہ کے تجربات میں اختلاف درحقیقت اس بات کو واضح کرتا ہے کہ صوفی کے لیے گونا گوں تجربات کے امکانات موجود ہیں اور تجربات درجات کے

حاصل ہوتے ہیں' یہ اختلافات صوفیہ کے روحانی مدارج کو واضح کرتے ہیں۔[64]

عشق مولانا رومؒ کے کلام کا اہم ترین موضوع ہے خاص طور پر مثنوی میں یہ مضمون دوسرے تمام مضامین پر چھایا ہوا ہے۔ مولانا کے اشعار میں عشق کی تعریف و توصیف بھی ہے' عشق کے مختلف پہلوؤں کا ذکر بھی ہے اور عشق اور عقل کا تقابل بھی ہے۔ عشق کی فوقیت نیز عقل جزوی' عقل کلی کے فرق کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ عقل کے ذکر کے ساتھ ساتھ مولانا کے کلام میں علم کا ذکر بھی ہے اور اس کے مختلف پہلوؤں پر بھی انہوں نے روشنی ڈالی ہے' مولانا رومؒ عشق و محبت کی تعریف میں کہتے ہیں کہ عشق ہماری تمام بیماریوں کا علاج ہے' یہ ہمارے لیے افلاطون و جالینوس ہے' دنیا میں کوئی بیماری عشق کی بیماری کے برابر نہیں۔ عشق تو خدا کے اسرار کا عکاس ہے۔ عشاق کا دین بھی تمام ادیان سے مختلف ہے کہ ان کا مذہب وملت صرف خدا ہے ____ محبت سے تلخی بھی شیرینی بن جاتی ہے' تانبا سونا بن جاتا ہے' تلچھٹ صفائی یا پاکیزگی اور بیماری شفا بن جاتی ہے۔ محبت سے قہر بھی رحمت اور کانٹے پھول بن جاتے ہیں۔ محبت سے مردہ بھی زندہ ہو جاتا ہے اور شاہ غلام بن جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عشق کی تعریف زبان سے نہیں کی جاسکتی' قلم عشق کی صفات بیان کرنے سے عاجز ہے اور عقل سے اس کی تشریح ممکن نہیں۔ عشق کی تعریف خود عشق ہی بیان کرسکتا ہے کیونکہ سورج کی دلیل خود سورج ہے:

شاد باش ای عشق خوش سودای ما ای دوای جملہ علت ھای ما

ای دوای نخوت و ناموس ما | ای تو افلاطون و جالینوس ما
ھر کرا جامہ زعشقی چاک شد | او ز حرص و عیب کلی پاک شد
جسم خاک از عشق بر افلاک شد۔ | کوہ در رقص آمد و چالاک شد
عاشقی پیداست از زاری دل | نیست بیماری چو بیماری دل
علت عاشق زعلت ہا جداست | عشق اسطرلاب اسرار خداست
از محبت تلخ ہا شیرین شود | از محبت مس ہا زرین شود
از محبت دُردہا صافی شود | وز محبت دردہا شافی شود
از محبت سقم صحت می شود | دز محبت قہر رحمت می شود
از محبت خار سوسن می شود | دز محبت خانہ روشن می شود
از محبت مردہ زندہ می شود | دز محبت شاہ بندہ می شود
ھر چہ گویم عشق را شرح و بیان | چون بعشق آیم خجل باشم ازان
گر چہ تفسیر زبان روشنگر است | لیک عشق بے زبان روشن تر است
عقل در شرحش چو خر در گل بخفت | شرح عشق و عاشقی ہم عشق گفت
آفتاب آمد دلیلِ آفتاب | گر دلیلت باید از وی رومتاب ۶۵

یہ تھا علم وحکمت، عقل وعشق اور عرفان وبصیرت کے حوالے سے صوفیائے صاف دل کے تصورات کا ایک مختصر سا جائزہ۔ اس باب کے آخر میں، ایک دانشور دین کا خوبصورت اور فکر انگیز قول پیش کیا جاتا ہے: ''صاحب علم وحکمت وہ ہے جو جہان شناس

ہو‘ صاحبِ عشق و عرفان وہ ہے جو خدا شناس ہو‘ صاحب فکر وبصیرت وہ ہے جو خودشناس ہواور صوفی صاف دل وہ ہے جو خودشناس بھی ہو‘خداشناس بھی‘ جہان شناس بھی اور حقایق شناس بھی یعنی کشف وکرامات اور خواب وتاویلات کی دنیا کا صاحبقران بھی ہواور حقایق حیات کی دنیا کا حکمران بھی‘‘۔

خواب وکشف وکرامات وتاویلات اورصوفیہ:

خواب بھی زندگی کی ایک حقیقت ہے اور خود حقیقت کا ایک پہلوخواب بھی ہے‘ کسی دانشور کا قول ہے کہ خواب انسان کی اندرونی کیفیات کا حقیقی اظہار ہوتے ہیں‘ وہ حقائق جو انسان دیکھنا نہیں چاہتا یا چھپانا چاہتا ہے خواب انہیں پیش کردیتے ہیں___ سچّے خواب حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں‘ سچّے اور نیک دل لوگ سچے اور اچھے خواب دیکھتے ہیں اور خوابوں کی سچی تعبیر بھی سچّے اور نیک لوگ ہی بتاتے ہیں___ خواب نیند میں دیکھے جاتے ہیں اور نیند کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ نیند ایک چھوٹی موت ہے اور موت بڑی نیند ہے___ انسان ہی خواب دیکھتا ہے حیوانات خواب نہیں دیکھتے‘ یوں خواب دیکھنا ایک طور سے انسان ہونے کی دلیل بھی ہے___ عام طور پر جو شخص دن میں سکھ اور سکون دیکھتا ہے وہ رات کو بھی میٹھے خواب دیکھتا ہے‘ جو دن میں دکھ اور غم دیکھتا ہے وہ عموماً رات کو بھی ڈراونے خواب دیکھتا ہے۔ اہل دولت نیند کی کڑوی گولیاں کھا کر کڑوے خواب دیکھتے ہیں اور مفلس اپنے میٹھے خوابوں ہی میں مگن رہتے ہیں___ خوابوں کی حقیقت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ معاشرہ کتنا ہی

جبر دوست اور ستم پرور کیوں نہ ہو خواب دیکھنے پر پابندی نہیں لگا سکتا ___ خواب صرف نیند ہی میں نہیں بیداری میں بھی دیکھے جاتے ہیں البتہ ایسے خوابوں کی تعبیر سچے اور نیک لوگوں سے نہیں پوچھی جاتی بلکہ اپنی قوتِ بازو سے تراشی جاتی ہے یعنی مردان اولوالعزم اپنے عزائم کو مسلسل جدوجہد اور محنت وکوشش سے عمل میں لاتے ہیں۔

تصوف میں بھی خواب کی ایک حقیقت یا معنویت ہے اگرچہ زیادہ تر روحانیت کے حوالے سے ہے لیکن اس کے اور بھی کئی پہلو ہیں۔ صوفیہ کی نظر میں خواب نیند یا سونا بھی ہے جس کی کئی قسمیں ہیں' ایک خواب سنت ہے جسے قیلولہ کہتے ہیں' جو مقوی دماغ وقلب ہے۔ حدیث میں ہے **القیلولہ تزید فی العقل** یعنی دوپہر کو کھانا کھانے کے بعد ظہر کی نماز سے پہلے تک سونا جسے قیلولہ کہتے ہیں عقل میں اضافہ کرتا ہے۔ دوم خواب بدعت ہے' یعنی نماز کے وقت سونا' سوم خواب عادت ہے' یعنی عشاء کی نماز کے بعد سونا' چہارم خواب ندامت ہے یعنی مجلس علم میں سونا ___ صوفیہ کے بقول سیدھا لیٹنا خواب انبیا ہے کہ وہ کائنات کے نظام پر غور وفکر کرتے ہیں' دائیں طرف سونا خواب عابدان ہے' منہ کے بل سونا خواب شیاطین ہے اور بائیں طرف سونا خواب ملوک ہے ___ خواب ملوک کے حوالے سے سعدیؒ کہتے ہیں کہ ایک ظالم حاکم نے ایک درویش سے پوچھا کہ سب سے افضل کون سی عبادت ہے' اس نے جواب دیا کہ تمہارے لیے خواب نیم روز یعنی قیلولہ تاکہ اس تھوڑی سی مدت ہی میں خلق خدا تمہارے ظلم سے بچی رہے۔

خواب دیکھنا جسے رؤیا بھی کہا جاتا ہے درحقیقت نفس مفکرہ کا قوتِ مصورہ کے ساتھ عمل کرنا ہے حواس کے آلات کے بغیر۔ یہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ جو کچھ بیداری کے بجائے خواب میں قوت مصورہ سے نفسِ انسانی میں آتا ہے، نفس اُسے اختیار کر کے خواب میں اس پر تفکر کرتا ہے۔

زندگی کی حقیقت یہ ہے کہ نفسِ انسانی جسم کو علم و معانی کے حصول اور نقائصِ ذات کو دور کرنے کیلیے کوشاں رکھے، اور موت کی حقیقت یہ ہے کہ نفسِ انسانی جسمِ انسانی کو اس عمل کے کرنے کے لیے نہ کہہ سکے۔ پس نفس کیلیے خواب بھی بیداری کی طرح ضروری ہے اور موت بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح زندگی ضروری ہے ان میں سے کوئی کسی ایک دوسرے پر برتری نہیں رکھتی۔ زندگی قوت کی حد سے فعل کی حد میں آنے کا نام ہے اور موت فعل کی حد سے قوت کی حد میں آنے کا نام ہے، یہ دونوں نفس کے پہلو ہیں اور ان میں سے کوئی بھی دوسرے سے برتر نہیں۔ بیدار حقیقت میں وہ ہے جو عقل و علم کے ساتھ بیدار ہو اور زندہ حقیقت میں وہ ہے جو عرفان حق کے ساتھ زندگی گزارتا ہو۔ (افضل الدین کاشانی، جامع الحکمۃ، ص۵۹)

حکما کہتے ہیں کہ خواب یا نیند ایک ایسی حالت کا نام ہے کہ جو جانداروں اور انسانوں پر طاری ہوتی ہے اور جس کے نتیجے میں ان کے احساسات اور حرکات معطل ہو جاتی ہیں لیکن حواسِ باطنی عمل کرتے رہتے ہیں، اس حالت میں نفسِ انسانی اپنے جہان میں چلا جاتا ہے، اس لیے کہ نفسِ انسانی عالمِ ملکوت سے معنوی تعلق رکھتا ہے۔

انسان کو عالمِ ملکوت سے تعلق قائم رکھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ جسمانی اعمال اور حواسِ ظاہری ہیں لیکن خواب میں یہ رکاوٹ ایک حد تک دور ہو جاتی ہے چونکہ تمام کائنات کی صورتیں ازل سے لے کر ابد تک حق تعالیٰ کے علم یا آسمانی عقول ونفوس میں موجود ہیں' ان صورتوں میں سے بعض تقابل کے لحاظ سے خواب کی صورت میں نفسِ انسانی میں منقش ہو جاتی ہیں' جس طرح کہ حسی صورتیں آئینہ میں نمودار ہو جاتی ہیں۔ یہ صورتیں نفسِ ناطقہ سے حسِ مشترک میں آتی ہیں وہاں قوتِ متصرفہ اس کی ترتیب وترکیب کرتی ہے اور شغل' پیشے یا کیفیت مزاج سے ذہنی مناسبت اور مشابہت کی بنا پر اس صورت کو بہت سے مختلف لباس پہنا دیتی ہے' یہی وجہ ہے کہ خواب کو تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے' خوابوں کے درجے ہیں' کچھ خواب ایسے ہوتے ہیں جو حقیقت محض ہوتے ہیں' ان کو تعبیر کی حاجت نہیں ہوتی۔ یہ خواب نفس مطمئنہ سے متعلق ہیں' یعنی یہ نعمت اسے نصیب ہوتی ہے جو نفس مطمئنہ کی دولت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ کچھ ایسے خواب ہوتے ہیں جن پر قوتِ متخیلہ نے تصرف کیا ہوتا ہے' ان کی تعبیر بیان کرنا ضروری ہوتا ہے' ایسے خواب نفس لوّامہ سے متعلق ہیں یعنی صاحبِ نفس لوّامہ ایسے خواب دیکھتا ہے۔ کچھ ایسے خواب بھی ہوتے ہیں جو عالمِ ملکوت سے نقش پذیر نہیں ہوتے اور صرف قوتِ متخیلہ کی تخلیق ہوتے ہیں' انھیں اضغاث احلام یا خوابِ پریشان کہتے ہیں' ان کی تعبیر نہیں ہوتی۔ یہ خواب نفس امّارہ سے متعلق ہوتے ہیں۔ انہیں خواب شیطانی بھی کہا جاتا ہے۔

مشہور صوفی عزیز الدین نسفیؒ مصنف الانسان الکامل فرماتے ہیں کہ انسان میں تین قوتیں ہیں: ایک قوتِ ادراک' ایک قوتِ عملی اور ایک قوتِ خیال۔ بعض انسانوں میں یہ تینوں قوتیں قوی ہوتی ہیں اور بعضوں میں یہ تینوں قوتیں کمزور اور بعضوں میں ان میں سے چند قوتیں کمزور اور چند قوتیں طاقتور۔ جس انسان میں قوتِ خیال قوی ہو وہ اس قسم کی صورتیں خواب میں بھی دیکھتا ہے اور بیداری میں بھی' خواب میں اکثر لوگ دیکھتے ہیں لیکن بیداری میں کم لوگ دیکھتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ انسان خواب میں پیاسا ہوتا ہے اور وہ خواب میں دیکھتا ہے کہ کوئی شخص اسے ٹھنڈے پانی کا پیالہ دے رہا ہے جس کو پی کر اس کی پیاس بجھ جاتی ہے۔ یہ صورت' یہ پانی تمام تر خیال ہے' ان صورتوں کی تصویر کشی کرنے والا خود خواب دیکھنے والے کے اندر موجود ہے۔ کبھی بیداری میں بھی کچھ لوگ ایسی صورتیں دیکھ لیتے ہیں' کوئی شخص جنگل میں سخت پیاسا ہو اور پانی نہ ہو تو کوئی شکل نظر آ جاتی ہے جو ٹھنڈے پانی کا پیالہ اسے پیش کرتی ہے اور اس کی تشنگی دور ہو جاتی ہے۔ یہ سب قوتِ خیال کی کارفرمائیاں ہیں ــــ خواب دیکھنے کے اسباب دو قسم کے ہیں۔ ایک حواس اندرونی اور ایک ملائکۂ آسمانی' جو خواب حواس اندرونی سے پیدا ہوتے ہیں ان کا تعلق حواس خمسۂ باطنی سے ہے اور خاص طور پر خیال اور حافظہ سے۔ خیال حس مشترک کا خزانچی ہے اور حافظہ وہم کا خزانچی ہے۔ یہ دونوں خزانچی صورتوں اور معنوی چیزوں کو جو انسان کے ذہن میں محفوظ ہوتی ہیں طلب کرنے پر پیش کر دیتے ہیں' اگر جلدی پیش کر دیں تو

کہتے ہیں کہ بات جلدی یاد آ گئی۔ اگر دیر میں پیش کریں تو کہتے ہیں کہ بات دیر میں یاد آئی اور اگر بالکل پیش نہ کریں تو اس سے مراد بھول یا نسیان یا یاد نہ آنا ہے۔ ماضی کے حالات ہمارے ذہن میں محفوظ رہتے ہیں اور وقتاً فوقتاً یاد آتے رہتے ہیں۔ صوفیہ انھیں خواطر کہتے ہیں۔ اور نفی خواطر تصوف کی ایک شرط ہے اور علما انھیں خیالات فاسد کہتے ہیں کہ ان کا ترک کرنا لازم ہے' یہی خیالات اور خواطر خواب میں بھی نظر آتے ہیں' ایسا خواب دیکھنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ ان خوابوں کی تعبیر بھی کوئی نہیں ہوتی ___ اگر انسانی بدن میں اخلاط اربعہ (یعنی سودا' صفرا' خون اور بلغم) میں سے کوئی ایک غالب ہو جائے تو اس کے مطابق خواب میں چیزیں نظر آتی ہیں مثلاً اگر صفرا غالب ہو تو قوتِ خیال خواب میں زرد چیزوں کو پیش کرتی ہے' جیسے زرد کپڑے' زرد پھول' آگ کے شعلے خواب میں دکھائی دیتے ہیں' اس کی تعبیر یہ ہے کہ صفراوی مزاج اس پر غالب ہے' اس کا علاج یہ ہے کہ خواب دیکھنے والے کو ایسی دوا دی جائے جس سے صفرا کم ہو ورنہ صفراوی بیماریاں پیدا ہو جائیں گی۔ اسی طرح اگر خون غالب ہو تو خواب میں سرخ چیزیں نظر آئیں گی' اگر بلغم غالب ہو تو سفید چیزیں اور بہتا ہوا پانی یا دریا نظر آئیں گے اور اگر سودا کا غلبہ ہوگا تو سیاہ چیزیں نظر آتی ہیں ___ ایک وہ خواب ہیں جو ملائکہ سماوی کے واسطے سے نظر آتے ہیں جب خواب کی وجہ سے حواس معزول ہو جاتے ہیں اور دل کا آئینہ پاک وصاف ہو جاتا ہے تو اس وقت آسمانی فرشتوں سے دل کو مناسبت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ چیزیں جو فرشتوں کے علم میں ہیں ان کا عکس خواب

دیکھنے والے کے دل کے آئینے پر منعکس ہو جاتا ہے۔ یہ سچے خواب ہوتے ہیں اور یہی وہ خواب ہیں جن کے بارے میں حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے کہ الرؤیا الصالحۃ جزء" من ستۃ و اربعین جزءً من النبوۃ یعنی سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

کہا جاتا ہے کہ علمِ تعبیر کے موجد حضرت یوسفؑ ہیں جن کو سب سے پہلے یہ علم خداوند تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا (تعبیر الرویا' ترجمہ ابوالقاسم دلاوری ص ص ۱۳۰)۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْاَحَادِيثِ (س۱۲' آیت۶)۔

علم تعبیر خواب میں بہت سے اہل علم نے حصہ لیا ہے اور کتابیں تالیف کیں ہیں لیکن سب سے مشہور اور معتبر نام علامہ محمد ابن سیرینؒ کا ہے۔ جو حضرت رسول اکرم ﷺ کے خادم حضرت انس بن مالکؓ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ حضرت محمد ابن سیرینؒ کی نظر میں خواب تین طرح کے ہوتے ہیں (۱) حدیث نفس یعنی دلی خیالات کا انعکاس (۲) تخفیفِ شیطان یعنی شیطان کی طرف سے خیالات کا دل میں آنا (۳) مبشراتِ خداوندی یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت (تعبیر الرویا ایضاً' ص ۲۴)۔

تعبیرِ خواب پر بہت سی کتابیں تالیف ہوئی ہیں لیکن مستند اور جامع ترین کتاب کامل التعبیر سمجھی جاتی ہے جس کے مصنف شیخ ابوالفضل حسین ابن ابراہیم محمد تقلیسی ہیں۔ یہ کتاب عہد سلجوقی میں لکھی گئی تھی' اس کتاب میں حضرت ابنِ سیرینؒ کی

تعبیر خواب سے متعلق تالیف ''کتاب جامع'' کے علاوہ دوسری بہت سی کتابوں سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔اس کتاب میں تقریباً ان تمام چیزوں کا الف با کی ترتیب سے ذکر کیا گیا ہے جو خواب میں دیکھی جاتی ہیں اور پھر اس کی تعبیر بتائی گئی ہے۔اس کتاب میں سب سے پہلے حضرت امام ابنِ سیرینؒ کے حوالے سے تعبیرِ خواب بیان ہوئی ہے اور ان کے بعد دوسرے بزرگوں کے حوالے سے تعبیرات بیان کی گئی ہیں۔حضرت امام ابنِ سیرینؒ کے مطابق اگر کوئی شخص خواب میں کرسی دیکھے تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ علم حاصل کرے گا کیونکہ کرسی علم کا اشارہ ہے جیسا کہ فرمانِ حق ہے وَلَا یُحِیطُونَ بِشَیۡءٍ مِنۡ عِلۡمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرۡسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ۔حضرت ابن عباسؓ کی نظر میں بھی کرسی سے مراد علم ہے' حضرت ابراہیم کرمانیؒ کی نظر میں کمالِ عقل ہے اور حضرت جابرؓ کی نظر میں کرسی امام مطیع کی تاویل ہے۔

علمائے تعبیرِ خواب کہتے ہیں کہ خواب کی تعبیر اس شخص سے پوچھی جائے جو نیک ہو اور ہمدرد ہو۔آج کل عام طور پر اپنے پیر یا مرشد سے خواب بیان کیا جاتا ہے اور اُن سے تعبیر پوچھی جاتی ہے کیونکہ نیکی و ہمدردی میں پیر و مرشد مثالی مقام رکھتے ہیں' اسی حوالے سے حال ہی میں (۲۰۰۹ء میں) ایک کتاب تعبیرات کے عنوان سے شائع ہوئی ہے جس کے مرتب ڈاکٹر علی محمد اور متین رفیق ملک صاحب ہیں' ان حضرات کے مرشد سلطان الحقیقت حضرت فضل شاہ صاحب کو مریدین کی طرف سے

خواب کے بارے میں خطوط موصول ہوتے تھے' یہ کتاب جو ''تعبیرات'' کے عنوان سے ہے انہی خطوط اور مرشدِ محترم جناب فضل شاہ صاحب کے جوابات یعنی خوابوں کی تعبیرات پر مشتمل ہے۔ ۶۶ے

کہتے ہیں کہ سلطان علاؤالدین کیقبادؒ نے ایک عجیب خواب دیکھا' اس نے اپنا خواب حضرت بہاولدؒ اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ سے بیان کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میرا سر سونے کا ہو گیا ہے اور میرا سینہ چاندی کا بن گیا اور ناف کے نیچے سارا جسم کانسی کا ہو گیا اور میری دونوں رانیں ہڈیاں بن گئیں اور میرے دونوں پاؤں مچھر کی طرح ہو گئے۔ شیخ شہاب الدینؒ نے حضرت بہاولدؒ سے کہا کہ آپ اس کی تعبیر بتایئے' سلطان العلما نے فرمایا کہ جب تک تم دنیا میں رہو گے تو دنیا میں سب لوگ تمہارے زمانے میں آسودہ حال' سچے اور سونے کی طرح قدر و قیمت والے ہوں گے۔ تمہارے انتقال کے بعد تمہارے بیٹے کے زمانے میں عوام چاندی کی طرح ہوں گے اور تمہارے پوتے کے زمانے میں کانسی کی طرح کم ہمت اور بے فیض ہو جائیں گے اور جب اس کے بیٹے کا دور آ جائے گا تو مخلوق میں صفا' وفا اور شفقت نہیں رہے گی اور جب تمہاری چوتھی اور پانچویں پشت کے پاس سلطنت آئے گی تو روم کی سلطنت برباد ہو جائے گی اور آلِ سلجوق ختم ہو جائیں گے اور پھر ایسا ہی ہوا _____ حضرت بایزیدؒ کو ان کی وفات کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا' اس شخص نے پوچھا کہ مرنے کے بعد آپ سے کیا سلوک ہوا؟ فرمایا مجھ سے کہا

گیا کہ اے بوڑھے کیا لائے ہو؟ میں نے کہا' کہ فقیر بادشاہ کے دربار میں آتے ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے کہ کیا مانگتے ہو؟ یہ نہیں کہا جاتا کہ کیا لائے ہو؟ ۶۷ے

نجم الدین رازیؒ اپنی کتاب مرصاد العباد میں خواب کے بارے میں فرماتے ہیں کہ صوفیہ کے نزدیک ظہورات غیبی یا مشاہدات غیبی جو عام طور پر ریاضت نفس اور تصفیۂ دل کی وجہ سے ظاہر ہوتے ہیں دو قسم کے ہیں: ایک خواب اور دوسرا واقعہ' پھر خواب بھی دو قسم کے ہیں: ایک خواب صوری اور دوسرے خواب معنوی' اسی طرح واقعہ بھی دو قسم کا ہوتا ہے' ایک واقعۂ صوری اور دوسرا واقعۂ معنوی۔ خواب صوری وہ ہوتے ہیں کہ جب حواس ظاہری کلی طور پر معطل ہو جائیں اور قوت خیال غالب ہو جاتی ہے تو خواب کے غلبہ میں کچھ چیزیں نظر آتی ہیں اور نفس غلبۂ خیال کے ذریعہ ان کا ادراک کرتا ہے اور خیال ہوا جس شیطانی (یعنی خواہشات نفسانی) اور وساوسِ نفسانی (نفسانی وسوسے) سے ان کی نقشبندی کر کے نفس کی نظر میں لے آتا ہے' ایسے خواب کی تعبیر نہیں ہوتی۔ ان خوابوں کو خوابہائے پریشان یا اضغاثُ احلام کہتے ہیں۔ ایسے خوابوں سے توبہ کرنا لازم ہے۔ خواب معنوی دو نوع کے ہیں' ایک صالح دوسرے صادق۔ خواب صالح حق کی طرف سے ہوتا ہے' اسے رؤیائے صالح بھی کہتے ہیں' اسی کے بارے میں حدیث پاک ہے کہ ایسے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتے ہیں۔ ایسے خواب میں نفس مغلوب روح ہوتا ہے' خیال مغلوب حق اور حواس بیکار و معطل ہو جاتے ہیں۔ اس کا دل حقایق کا آئینہ بن جاتا ہے۔ خواب صالح دو قسم کے

ہیں: ایک وہ خواب ہے کہ جس میں انسان جو کچھ دیکھتا ہے اس کی تعبیر کی ضرورت نہیں ہوتی۔ حقیقت بعینہ ظاہر ہو جاتی ہے جیسا کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ سے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تمہیں ذبح کر رہا ہوں۔ (سورہ ۳۷' آیت ۱۰۲)۔ چونکہ یہ وحی تھی اس لیے اسے تعبیر کی ضرورت نہیں تھی' بیٹے نے جواب دیا کہ یـا اَبَتِ افْـعَـلْ مَـاتُؤمَرُ (یعنی اے ابا جان! جیسا کہ حکم خدا ہوا ہے ویسا ہی آپ عمل کیجئے) (سورہ ۳۷' آیت ۱۰۲) اسی طرح حضرت رسول اکرم ﷺ کا مدینے میں خواب دیکھنا کہ حضرت رسول اکرم ﷺ صحابہ کے ساتھ مسجد حرام (مکہ میں) داخل ہوئے سو یہ خواب پورا ہوا جیسا کہ فرمانِ حق ہے لَـقَـدْ صَـدَقَ الـلّٰـهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْ يَا بِالْحَقِّ (سورہ ۴۸' آیت ۲۷) دوسرا وہ خوابِ صالح ہے جس کو تعبیر و تاویل کی حاجت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت یوسفؑ نے خواب میں دیکھا کہ گیارہ ستارے' سورج اور چاند انہیں سجدہ کر رہے ہیں (سورہ ۱۲' آیت ۴)۔ اس خواب میں گیارہ ستاروں سورج اور چاند کی تعبیر و تاویل کی حاجت تھی۔ جس سے مراد حضرت یوسفؑ کے گیارہ بھائی اور والدین تھے۔ خواب صالح نبی' ولی' عارف اور مومن دیکھتے ہیں۔ اسی طرح خوابِ صادق وہ ہے جو مومن' کافر' برہمن اور راہب سب دیکھتے ہیں' یہ خواب کچھ روحانیت کا پہلو لیے ہوتے ہیں یا جیسا کہ حضرت یوسفؑ کے ساتھی قیدیوں میں سے ایک نے خواب میں دیکھا کہ وہ شراب نچوڑتا ہے' دوسرے نے دیکھا کہ اس کے سر پر روٹیاں ہیں جسے جانور کھا رہے ہیں (سورہ ۱۲' آیت ۳۶) یا جیسا کہ مصر کے بادشاہ نے خواب میں دیکھا کہ سات دبلے

بیل سات موٹے بیلوں کو کھا رہے ہیں (سورہ۱۲)۔ ان خوابوں کو تعبیر کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ حقائق جو خواب میں نظر آتے تھے ایک طرح سے امور غیبی کا انکشاف تھا۔

صوفیہ پر کبھی کبھی ذکر واستغراق میں ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ امور غیبی کے کچھ حقایق ان پر منکشف ہو جاتے ہیں' صوفیہ اسے مکاشفہ کہتے ہیں' مکاشافات جھوٹے نہیں ہوتے' البتہ واقعہ جھوٹا بھی ہوسکتا ہے اور سچا بھی۔ مکاشفہ اور واقعہ میں یہ فرق ہے کہ واقعہ میں صوفیہ کو کبھی کبھی ذکر واستغراق میں ایسی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ محسوسات سے غائب ہو جاتے ہیں اور کچھ امورِ غیبی کا انہیں کشف ہو جاتا ہے جیسا کہ سونے والے کو خواب میں کبھی کچھ حقایق معلوم ہو جاتے ہیں لیکن مکاشفہ میں محسوسات سے غائب ہوئے بغیر ہی صوفی پر حقائق منکشف ہو جاتے ہیں' البتہ مراقبے میں صوفی کے حواسِ ظاہری مغلوب ہو جاتے ہیں (فرہنگ اصطلاحات وتعریفات از بہروز ثروتیان' ص۴۷۰)۔

صوفیہ کی نظر میں واقعہ دو قسم کا ہے: (۱) واقعۂ صوری' (۲) واقعۂ معنوی۔ واقعۂ صوری میں مومن' کافر' راہب' برہمن سب شریک ہیں۔ ریاضت وتصفیۂ دل کی بنا پر کچھ غیب کی باتیں انسان پر ظاہر ہو جاتی ہیں لیکن کافر قرب وقبولیت کے حق سے محروم رہتے ہیں۔ ان کے حجابات اور کفر وضلالت میں اور اضافہ ہو جاتا ہے' اسے استدراج بھی کہا جاتا ہے ___ واقعۂ معنوی وہ ہے جو موحدین کی نظر میں انفس و آفاق کے آئینہ کے ذریعہ جمال وجلال خداوندی رونما کرتا ہے' قرآنی آیت

سَنُرِیْھِمْ آیٰتِنَا فِی الْآفَاقِ وَ فِیْ اَنْفُسِھِمْ (سورہ ۴۱ آیت ۵۳) اسی حقیقت کی مظہر ہے۔ یہ واقعۂ معنوی موحدین کے لیے قربِ حق اور زیادتی ایمان کا سبب بنتا ہے۔ ۶۸

حضرت زید بن حارثہؓ کو کشف کوئی عطا ہوا تھا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب اس حدیث اللھم ارنا الاشیاء کما ھی (یعنی اے اللہ مجھے چیزوں کی حقیقت دکھا) اور اس آیت سے فَکَشَفْنَا عَنْکَ غِطَائَکَ فَبَصَرُکَ الْیَوْمَ حَدِیْد (سورہ ۵۰ آیت ۲۲) یعنی ہم نے تجھ سے تیرا پردہ (تیری آنکھ کا پردہ) کھول دیا پس تیری نظر آج تیز ہے___ کشف یا مکاشفہ کے بارے میں صوفیہ استشہاد کرتے ہیں۔ کشف سے مراد وہ چیز جو حجاب سے باہر آ جائے یعنی اس بات کا منکشف ہونا' جو حواس پنجگانہ ظاہری و باطنی سے ادراک نہیں کی جا سکتی۔ یہ مقام ریاضت و عبادت کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ ایک کشف عقلی یا کشف نظری ہے جو صفائے عقل سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ قابل اعتماد نہیں' ادراک کا کمتر درجہ ہے اسے علم الیقین کہا جا سکتا ہے' دوسرا کشف قلبی یا کشف دلی ہے۔ اسے کشف شہودی بھی کہتے ہیں' اسے عین الیقین کہا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد کشف روحی ہے یہ کشف کا بلند ترین مقام ہے گویا حق الیقین ہے۔ اس مقام پر زمان و مکان کے حجابات اٹھ جاتے ہیں' یہاں نہ اسم ہے' نہ رسم ہے' نہ وحدت' نہ کثرت' نہ شاہد' نہ مشہود' نہ کشف' نہ مکشوف' غرض کچھ باقی نہیں رہتا سوائے حق کے کُلُّ شَیءٍ ھَالِکٌ" اِلَّا وَجْھَہٗ یعنی ہر چیز سوائے اللہ کے فنا ہو

جاتی ہے۔(سورہ ۲۸' آیت ۸۸)۔

آسمانی فرشتے جب کوئی بات انسان کے دل میں ڈالتے ہیں تو اگر وہ بات بیداری میں ہو تو اس کا نام الہام یا القا ہے' اگر خواب میں ہو تو اس کا نام سچا خواب ہے' کبھی صرف آواز آتی ہے اسے آواز ہاتف یا آواز سروش کہتے ہیں اور جب آسمانی فرشتے انسان کے روپ میں زمین پر آئیں اور خدا کی بات نبیوں تک پہنچائیں تو اس کا نام وحی ہے۔ بعض انبیا کو خواب میں بھی وحی آئی ہے ___ جو بات شیطان دل میں ڈالتا ہے اسے وسوسہ کہتے ہیں۔ ایک روز حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ نیشاپور سے طوس جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ ایک مرید تھا' سخت سردی سے ان کے پاؤں سوج گئے' ان کے مرید کے دل میں خیال آیا کہ اپنی گرم چادر کو پھاڑ کر ان کے دونوں پاؤں پر لپیٹ دے تاکہ پاؤں کو سردی کم محسوس ہو۔ پھر خیال آیا کہ یہ چادر بہت قیمتی ہے۔ ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ طوس پہنچ کر وہ درویش حضرت ابوسعیدؒ کی مجلس میں آیا اور پوچھا وسوسہ اور الہام میں کیا فرق ہے؟ فرمایا میرے ساتھ سفر میں تیرے دل میں جو یہ خیال آیا تھا کہ تو اپنی چادر کو میرے پاؤں پر لپیٹ دے الہام تھا اور اس خیال سے باز رکھنے والی چیز وسوسہ۔

صوفیہ سے کرامتیں بھی منسوب کی جاتی ہیں۔ نسفیؒ کی نظر میں سب سے بڑی کرامت علم حق اور اخلاق حمیدہ ہے۔ جو جتنا زیادہ صاحب علم اور صاحب اخلاق ہے اس کی کرامت اور قربت حق بھی زیادہ ہے ___ صوفیہ کی نظر میں عادت کے خلاف

جو امور ظاہر ہوتے ہیں وہ چار قسم کے ہیں: (۱) معجزہ صرف انبیا سے مخصوص ہے کہ وہ علم وعمل میں کامل ہوتے ہیں (۲) کرامت اولیا سے متعلق ہے کہ انہیں بھی علم وعمل میں کمال حاصل ہوتا ہے (۳) وہ خلاف عادت امر جو مجذوبین یا مجنونان عاقل سے سرزد ہوتا ہے اسے معونت کہتے ہیں کہ یہ حضرات علم وعمل سے محروم ہوتے ہیں (۴) استدراج وہ خلاف عادت بات ہے جو کسی کافر یا غیر مسلم سے سرزد ہو جیسے جادو وغیرہ۔ صوفیہ کی نظر میں کرامت کی تین قسمیں ہیں: (۱) جہاں علم ہو اور ارادہ بھی جیسے حضرت عمرؓ کے فرمان سے دریائے نیل کا جاری ہونا (۲) جہاں نہ علم ہو اور نہ ارادہ ہو جیسے حضرت ابو بکر صدیقؓ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا کھانا اور کھانے میں دو چند اضافہ ہو جانا۔ (۳) جہاں علم ہو اور قصد نہ ہو جیسے حضرت مریمؑ کے پاس بے فصل میووں کا آجانا۔ ۶۹ے

بزرگانِ دین نے کرامت کا اخفا واجب قرار دیا ہے۔ البتہ جہاں مرید کے یقین کو قوی کرنا مقصود ہو یا غیب سے اس کے اظہار کرنے کا حکم ہو وہاں اس کا اظہار کیا جا سکتا ہے' جو بات شریعت میں حرام ہے وہ تصرفات سے بھی کرنا حرام ہے' جیسے کسی کا قتل کرنا یا کسی کا راز معلوم کرنا وغیرہ۔

کرامت کے ساتھ ساتھ صوفیہ میں فال لینے اور استخارہ کرنے کا رواج بھی ہے' فال یہ ہے کہ اتفاق سے کوئی اچھا کلمہ کان میں پڑ گیا' اس سے خدا کی رحمت کی امید رکھنا جائز ہے۔ استخارہ یہ ہے کہ جب کسی امر کے قرین مصلحت یا خلاف مصلحت

ہونے میں تردد ہو تو دعائے خاص پڑھ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونا پھر جس امر پر دل ٹھک جائے اسے خیر سمجھ کر اختیار کرنا' استخارہ کی غرض صرف تردد یا شک کا دور کرنا ہے' استخارہ سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ اس کے ذریعہ سے کسی بات کا کشف یا انکشاف ہوتا ہے۔ صوفیائے صاف دل کے نزدیک ایک اور اعتبار سے کرامت کی دو قسمیں ہیں: ایک حسی جیسے پانی پر چلنا یا ہوا میں اڑنا' دوسری قسم معنوی ہے یعنی شریعت پر مستقیم رہنا اور مکارم اخلاق سے بہرہ ور ہونا۔ کسی نے بایزیدؒ سے کہا کہ فلاں ولی پانی پر چلتا ہے' فرمایا مچھلی پانی میں اور پرندہ ہوا میں اس ولی سے زیادہ عجیب طریقے سے یہ کام انجام دیتا ہے۔ تصوف اسلامی میں سب سے بڑی کرامت شریعت پر صدق دل سے عمل کرنا اور مخلوق خدا کے ساتھ شفقت سے پیش آنا ہے۔ کہتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ کے پاس ایک شخص تقریباً دس سال خدمت میں رہا' ایک دن اس نے کہا کہ جناب دس سال ہو گئے آپ کی خدمت میں ہوں' میں نے اس مدت میں آپ کی کوئی کرامت نہیں دیکھی۔ فرمایا کیا تم نے میرا کوئی فعل شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف دیکھا؟ اس نے کہا نہیں' فرمایا اس سے بڑی کرامت اور کیا ہوگی؟ ۰ے

صوفیہ کبھی یہ نہیں کہتے کہ یہ کرامت میں نے ظاہر کی ہے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ یہ کرامت مجھے عطا ہوئی ہے یا مجھ سے ظاہر ہوئی ہے' یہ بھی اس صورت میں کہتے ہیں جب انہیں کرامت کا شعور ہو ورنہ اکثر صوفیہ کا عقیدہ ہے کہ کرامت بے خودی میں صادر ہوتی ہے اور یوں ولی کو کرامت کا شعور نہیں ہوتا کیونکہ کرامت کے صدور کے

وقت ولی کلی طور پر ارادۂ الٰہی کے تحت ہوتا ہے اور خود سے یعنی اپنے وجود سے بالکل بے خبر ہوتا ہے۔ جنیدؒ کا قول ہے کہ حجاب تین ہیں: نفس، خلق اور دنیا' یہ عام حجاب ہیں' تین حجاب خاص ہیں جو یہ ہیں: دید طاعت' دید ثواب اور دید کرامت۔ جنیدؒ ہی کا قول ہے کہ جب عارف کریم سے کرامت کی طرف رغبت کرتا ہے تو گمراہ ہو جاتا ہے ___ ابو علی جوز جانیؒ کا قول ہے کہ صاحبِ کرامت کے بجائے صاحبِ استقامت بنو' خداوند تعالیٰ استقامت پسند کرتے ہیں اور نفس کرامت کا طالب ہے۔[۱۷]

تاویلات واصطلاحات اور صوفیہ:

تصوف میں خواب' تعبیر خواب اور کشف وکرامت کے ساتھ تاویل کرنے یا رمزیہ انداز میں بات کرنے کی روایات بھی ہیں۔ تاویل کے معنی ہیں ظاہری معنوں سے پھیرنا یعنی ظاہری معنوں کی بجائے کوئی اور معانی مراد لینا۔ مجاز مرسل اور استعارے میں بھی ایک لفظ اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے' لیکن حقیقی اور مجازی معنوں میں کوئی قرینہ ہوتا ہے' جیسے یہ کہا جائے کہ دریا بہہ رہا ہے اور مراد یہ ہے کہ پانی بہہ رہا ہے یہاں دریا اور پانی میں ظرف اور مظروف کا تعلق ہے' اسی طرح استعارے میں شیر کہہ کر بہادر انسان مراد لیا جاتا ہے یوں حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا قرینہ ہوتا ہے یا ہم اپنی بات کو واضح کرنے کے لیے تشبیہ کا سہارا لیتے ہیں جیسے غصہ یا حسد یا عشق کے جذبوں کی شدت کو بیان کرنے کے لیے

غصہ کی آگ، حسد کی آگ یا عشق کی آگ کہا جاتا ہے یعنی ان مذکورہ کیفیتوں یا جذبوں کو آگ سے تشبیہ دی جاتی ہے، جبکہ تاویل میں کسی مناسبت کی وجہ سے یا بغیر کسی مناسبت کے بھی ایک لفظ سے کوئی خاص معنی مراد لیے جاتے ہیں۔

پہلی صدی قبل مسیح کے ایک یہودی صوفی اور عالم دین فیلو (Philo) نے مذاہب کے حوالے سے سب سے پہلے تورات کے مضامین اور عقل میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کی تھی، اسی سے رمزیت، باطنیت اور تاویلات نے فروغ پایا۔ اس نے تاویل کے طور پر آدمؑ کو عقل، حوّا کو نفس اور سانپ کو (جس نے تورات کے مطابق اماں حوا کو درخت ممنوعہ کھانے کی ترغیب دی تھی) لذت کہا تھا، اس کی نظر میں ہابیل انسان کے خیر کے پہلو اور قابیل انسان کے شر کے پہلو کی علامت ہے۔

تصوف میں تاویلات کی روایت یا مطالب رمزیہ انداز میں بیان کرنے کا جو دستور ہے یہ بہت حد تک ایران کے قدیم زرتشتی علما کا سا ہے، قطب الدین شیرازی شارح حکمت الاشراق کی نظر میں زرتشتی مذہب میں تصور اہرمن (ابلیس یا شیطان) اور تصور اہورامزدا (خدا) درحقیقت امکان (ممکن والوجود یعنی کائنات) اور وجوب (واجب الوجود یعنی ذاتِ حق جو خود بخود قائم ہے) کا اشارہ ہیں، ان سے مراد دو خدا نہیں۔[۲۷]

مشہور فلسفی ابن رشد (۵۹۵ھ۔۵۲۰ھ) نے بھی تاویلات کے باب میں خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ شریعت نے جن باتوں کے بیان کرنے سے سکوت اختیار کیا ہے، اس میں اور برہان عقلی میں کوئی تعارض نہیں۔ سو تاویل کی گنجائش

نہیں، شریعت نے جن باتوں کو بیان کیا ہے اور وہ عقلی دلائل کے موافق ہیں ان میں بھی تاویل کی ضرورت نہیں البتہ اگر وہ عقلی دلائل کے مخالف ہیں تو ان کی تاویل کرنی چاہیے۔ تاویل کے معنی یہ ہیں کہ لفظ کے حقیقی معنی کو چھوڑ کر مجازی معنی لیے جائیں۔ مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ نہ تو شریعت کے تمام الفاظ کو ظاہری معانی پر محمول کرنا چاہیے اور نہ تاویل کے ذریعہ سے ان کے تمام ظاہری معنوں کو چھوڑ دینا چاہیے اور پھر یہ بھی ہے کہ تاویل سب کے لیے نہیں ہوتی۔ اہل علم کے لیے تاویل مفید ہوتی ہے، عوام اس سے مستفید نہیں ہو سکتے۔

مختصراً یوں کہ شریعت کا ایک پہلو ایسا ہے جس کی تاویل جائز نہیں، اصول شریعت میں تاویل کرنا بالکل ناجائز ہے۔ محکمات میں تاویل کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت ہے، البتہ متشابہات میں تاویل کی گنجائش ہے، لیکن تاویل کرتے وقت اسلام کے مجموعی مصالح اور مقاصد کو نظر میں رکھنا چاہیے۔ کوئی ایسی تاویل جو خلقِ خدا کے لیے مضر ہو یا دین میں خلل یا بدعت پیدا کرے اس سے بچنا لازم ہے۔ صدر اسلام میں مسلمان تقویٰ پر عمل کرتے تھے، تاویلات نہیں کرتے تھے۔ جو تاویل سے واقف تھے وہ اسے بیان نہیں کرتے تھے۔ بعد میں تقویٰ کم ہو گیا اور تاویل کا زور ہو گیا، اختلافات بڑھ گئے، اسی وجہ سے مسلمانوں میں فرقے پیدا ہو گئے، خاص طور پر فرقۂ اسماعیلیہ اور فرقۂ اباحیہ نے تاویلات کے استعمال میں بہت ہی افراط سے کام لیا ہے، یہ لوگ آیاتِ قرآنی اور احکامِ شرعی کے ظاہری پہلو کو نہیں مانتے۔ علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب

میں ایسے فرقوں کی مذمت کی ہے جو تاویلات میں افراط سے کام لیتے ہیں۔

مسلم مفکرین نے تاویلات سے بچنے کی تلقین کی ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (سورہ ۲۰ آیت ۵) کی تفسیر کے بارے میں اہل علم نے تاویلات سے کام لیا ہے' اس حوالے سے مالک بن انسؒ نے فرمایا تھا کہ استوی کے معنی معلوم ہیں' اس کی کیفیت سے ہم بے خبر ہیں' اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے[۳] ___ صوفیانہ ادب میں تاویلات کا کافی ذخیرہ ہے۔ صوفیہ کی نظر میں دین کے دو پہلو ہیں: ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے۔ دین کا باطنی پہلو یا صوفیہ کی واردات قلبی یا ان کے روحانی تجربات لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتے' اس لیے انہوں نے رمزیہ انداز بیان اختیار کیا جس سے رمزیت یا باطنیت یا تاویل کا انداز وجود میں آیا گویا بقول مولانا رومؒ اچھا یہ ہے کہ محبوب کی بات رمزیہ انداز میں کہی جائے' ذکر دوسروں کا ہو لیکن اشارہ محبوب کی طرف ہو۔

خوشتر آن باشد کہ سرِّ دلبران گفتہ آید در حدیثِ دیگران

صوفیہ کہتے ہیں کہ یہ تاویل کرنا ان کا ذاتی اجتہاد نہیں بلکہ خدا کی بخشش اور عطائے ربانی ہے یا علم لدنّی ہے ___ کہا جاتا ہے کہ تصوف اسلامی میں تاویلات کا آغاز رابعہ عدویہ کے اقوال سے ہوا۔ تمہیدات میں عین القضاۃ ہمدانیؒ نے اس آیت لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَ اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ (سورہ ۵۷' آیت ۲۵) میں میزان سے مراد عقل لی ہے' اسی طرح منکر نکیر کے بارے میں ان کا قول

ہے کہ منکر سے اعمال بد اور نکیر سے اعمال صالح مراد ہیں' جنت وصال خدا ہے اور دوزخ' فراق حق ہے ۴۷؎ سعد الدین حمویہؒ نے المصباح فی التصوف میں حور کو عکسِ روح کہا ہے اور شجر طوبیٰ سے عقل اکبر مراد لی ہے' اسی طرح بہت سی تاویلیں بیان کی ہیں ۵۷؎ سعد الدین حمویہؒ کے مرید عزیز الدین نسفیؒ کی نظر میں آیت قرآنی "وَالتِّینِ وَالزَّیتُونِ وَطُورِ سِینِینَ" (سورہ ۹۵) میں تین سے مراد دوات ہے جو دریائے کل ہے اور نور وظلمت کا لباس ہے اور زیتون سے مراد عقل اول ہے جو قلم خدا ہے اور طور سینین سے مراد فلک اول ہے جو عرش خدا ہے اور بلد الامین سے مراد انسان کامل ہے جو خلاصہ موجودات اور علوم ومعارف کا مجموعہ ہے۔ بلد اس لیے کہا گیا ہے کہ انسان کامل مصر جامع ہے اور تمام اوصاف اور اخلاق پسندیدہ سے مزین ہے اور امین اس لیے کہا گیا ہے کہ انسان کامل خوف سے محفوظ ہے۔ عزیز الدین نسفیؒ کی نظر میں پل صراط سے مراد انسانی روح کا نزول وعروج ہے۔ صراط وہ خط ہے جو دوزخ کے منہ پر بنایا گیا ہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ اس پل صراط پر کچھ جلدی سے گزر جاتے ہیں اور کچھ مشکل سے اور کچھ گزر نہیں سکتے اور دوزخ میں گر جاتے ہیں۔ پل صراط کو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز اس لیے کہتے ہیں کہ ہر کام میں اعتدال' توازن اور میانہ روی صراط مستقیم ہے اور عقل کا طریقہ ہے جو بہت کٹھن ہے۔ افراط یا تفریط تقاضائے نفس ہے جو دوزخ ہے۔

عزیز الدین نسفیؒ کی نظر میں جنت کی حقیقت موافقت شریعت اور دوزخ کی

حقیقت مخالفت شریعت ہے۔ جنت اور دوزخ کے بہت سے دروازے ہیں تمام اچھے اقوال اور افعال اور اخلاق حمیدہ جنت کے دروازے ہیں اور اسی طرح تمام ناپسندیدہ اقوال و افعال اور اخلاق ذمیمہ دوزخ کے دروازے ہیں کیونکہ انسان کو جو خوشی اور راحت ملتی ہے وہ پسندیدہ اخلاق ہی سے حاصل ہوتی ہے اور ہر قسم کا غم اور دکھ اخلاق ذمیمہ سے حاصل ہوتا ہے' دوزخ کے دروازے سات ہیں اور جنت کے آٹھ ہیں کیونکہ انسان کے حواس بھی آٹھ ہیں۔ پانچ ظاہری حواس یعنی دیکھنے' سننے' چکھنے' محسوس کرنے' اور سونگھنے کی قوتیں اور تین حواس باطنی یعنی خیال' وہم اور عقل ہیں' جب عقل ان دوسرے سات حواس کے ہمراہ نہ ہو اور ساتوں حواس نافرمانی کریں اور طبیعت یا نفس کے حکم کو مانیں تو یہ ساتوں حواس دوزخ کے دروازے بن جاتے ہیں اور جب ان پر عقل حاکم ہو جائے اور ساتوں حواس عقل کے فرمانبردار ہوں تو یہ سارے آٹھوں کے آٹھ دروازے جنت کے دروازے بن جاتے ہیں۔

اگرچہ عام صوفیہ کی نظر میں جنت سے مراد قربت حق ہے اور دوزخ سے مراد حق سے دوری ہے' لیکن نسفیؒ کی نظر میں جنتیں بھی تین ہیں اور دوزخیں بھی تین ہیں' کم عقلوں کی جنت موافقت حق ہے اور دوزخ مخالفت حق ہے' داناؤں کی جنت اور دوزخ شریعت کی ضروری باتوں کو اختیار کرنا اور ان کا ترک کرنا ہے اور عشاق کی جنت کشف یا شہود ہے اور دوزخ حجاب ہے۔[۶]

حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ نے قُلْ ھُوَ اللہ کی تفسیر کے بارے میں فرمایا کہ

ابوالعباس قصابؒ نے اس آیت کی یوں تاویل کی ہے کہ ''قل'' شغل ہے ''ہو'' اشارت ہے اور ''اللہ'' عبارت ہے اور توحید کی حقیقت اشارت وعبارت سے پاک ہے' شیخ نے آیت قرآنی اِنَّ اَکْرَمَکُم عِندَاللّٰہِ اَتْقٰکُم (سورہ ۴۹' آیت ۱۳) کی تفسیر یوں فرمائی بلکہ تاویل کے طور پر کہا کہ جب تم اپنے نفس سے پرہیز کروگے تو خدا کو پالو گے۔ ۷۷

صوفیہ کے ہاں اصطلاحات کے استعمال کا بھی رواج ہے ___ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دوسروں تک اپنی بات یا دلی کیفیات کو پہنچانے کے لیے یا اظہارِ خیال کے لیے انسان کے پاس تین ذریعے ہیں: (۱) الفاظ وعبارات (۲) اشارات وکنایات (۳) چہرے کے تاثرات۔ ہم چہرے کے تاثرات سے غصہ' خوشی یا خفگی وغیرہ کے جذبات کا اظہار کرتے ہیں اور یہ تاثرات معین ہوتے ہیں ___ اسی حوالے سے کہا جاتا ہے کہ کسی کی خاموشی کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ وہ گونگا ہے یا بولنے سے انکاری ہے بلکہ یہ بھی ایک طرح سے بولنا ہی ہوتا ہے

خموشی معنیی دارد کہ درگفتن نمی آید

اسی طرح ہاتھ کے اشاروں سے ہم اظہار خیال کرتے ہیں' عموماً گونگے بہرے ہاتھ کے اشاروں سے اپنے مافی الضمیر کو بیان کرتے ہیں' یہ اشارے بھی معین ہوتے ہیں' یعنی ہر بات کے اظہار کے لیے اشارہ معین ہوتا ہے لیکن الفاظ کے ذریعے سے جب مطلب بیان کیا جاتا ہے تو اس کی کئی صورتیں ہیں: (۱) ایک بالکل واضح

الفاظ میں اظہار خیال کیا جاتا ہے جیسے کسی کی ماں کے مرنے کے بارے میں کہا جائے کہ اُس کی ماں مرگئی (۲) تشبیہ استعارے یا مجاز مرسل یا کنایہ کے استعمال سے ہم اپنی بات کو خوبصورت یا واضح تر بنا دیتے ہیں جیسے ''اس کی ماں مرگئی'' کے بجائے یہ کہا جائے کہ اُس کی ماں اللہ کو پیاری ہوگئی (۳) ایسی بات کو جو خاص علوم یا روحانی کیفیات سے متعلق ہوں اور جس کا ادراک عام لوگوں کے لیے ممکن نہ ہو، مخصوص الفاظ یا تراکیب کے ذریعے بیان کیا جاتا ہے جنہیں اصطلاحات کہا جاتا ہے ____ تقریباً ہر علم کی اصطلاحات ہوتی ہیں جو مخصوص معانی رکھتی ہیں۔ تصوف میں بھی اصطلاحات ہیں ____ یہ اصطلاحات مختلف قسم کی ہیں:

(۱) ایک علمی جیسے تجرید و تفرید، صحو و محو، قبض و بسط وغیرہ۔

(۲) شاعرانہ یا عاشقانہ اصطلاحات جیسے خال سے مراد انسان کامل کا دل، عشوہ سے تجلی جمال، زلف سے غیب ہویت بھی اور ظلمت کفر بھی، رخسار سے صورت انسان کا خلاصہ، لب سے فیض رحمانی، چشم سے شہودِ حق، ابرو سے مراد صفات حق یا قاب قوسین۔

(۳) رندانہ پہلو رکھنے والی اصطلاحات جیسے شراب سے مراد عشق، خم خانے سے عالم تجلیات، مے خانے سے خانقاہ پیر، بت خانے سے عالم لاہوت، خرابات سے مقامات محو و فنا، پیر خرابات سے مرشدِ کامل، صراحی سے مقام مستی، جام سے مراد دلِ عارف، ساغر سے مراد مشاہدۂ انوار غیبی، شاہد سے مراد تجلی ذات حق۔

(۴) مذہبی پہلو رکھنے والی اصطلاحات جیسے حج سے مراد سفر معنوی' کعبہ سے مراد ذاتِ حق' حجرِ اسود سے مراد لطیفہ انسانی اور ترسا بچہ سے مراد پیر کامل' بت سے مراد توحید حق وغیرہ ___ اس شعر میں:

چہ می گویم کہ ہست ایں نکتہ باریک

شب روشن میان روز تاریک

شب روشن سے مراد نور سیاہ ہے جسے نور ذات بھی کہتے ہیں اور روز تاریک سے مراد تجلیات اسمائی' صفاتی اور افعالی ہیں جو بظاہر روشن ہیں لیکن حجاب ذات حق ہیں۔ شعر کا مفہوم یہ ہے کہ میں کیا بتاؤں یہ نکتہ بہت باریک ہے کہ ذاتِ حق جو شبِ روشن ہے وہ روزِ تاریک میں یعنی تجلیات اسمائی' صفاتی اور افعالی میں موجود ہے یعنی خدا کا جلوہ کائنات کے ذرّے ذرّے میں موجود ہے۔

وہ صوفیہ جو صاحبِ تمکین ہوتے ہیں وہ متصوفانہ اصطلاحات کے استعمال میں محتاط ہی نہیں بلکہ محترز بھی ہوتے ہیں۔ وہ اپنی واردات روحانی کو اپنے تک ہی محدود رکھتے ہیں' ان کے بیان کرنے سے پرہیز کرتے ہیں اور اگر کچھ بیان کرتے ہیں تو شریعت کی حدود میں رہ کر نہایت احتیاط کے ساتھ زبان پر لاتے ہیں تاکہ لوگ اُن کی باتوں کے غلط معنی نہ لیں ___ وہ صوفیہ جو اہل تمکین نہیں ہوتے وہ اپنے مشاہدات' مکاشفات اور روحانی کیفیات خاص لفظوں میں بیان کرتے ہیں جنہیں اصطلاحات تصوف کہا جاتا ہے جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے ___ بعض اوقات کچھ صوفیہ اپنے

مشاہدات اور مکاشفات کو نہایت بے باکی سے بیان کرتے ہیں' انہیں شطحیات کہا جاتا ہے' شطحیات شطح کی جمع ہے شطح کے معنی ہیں بے باکی سے باتیں کرنا' تصوف کی اصطلاح میں وہ کلمات ہیں جو صوفیہ کی زبان سے غلبۂ حال' مستی یا شوق و وجد میں بے اختیار زبان پر آ جاتے ہیں اور بظاہر شریعت کے خلاف ہوتے ہیں مگر حقیقت میں کسی باطنی کیفیت کا اشارہ ہوتے ہیں۔ محتاط صوفیہ شطحیات کو نہ رد کرتے ہیں اور نہ قبول کرتے ہیں' اُن کے خیال میں ایسے الفاظ کا زبان پر لانا' اگر بلا اختیار اور بغیر قصد ایسا کیا جائے' تو نہ کفر ہے نہ بدعت اور اگر بغیر غلبہ اور بغیر تاویل کے ایسا کلمہ کہا جائے تو کفر ہے اور اگر ایسا کلمہ تاویل سے کہا جائے تو یہ بدعت ہے۔ شطحیات کے حوالے سے حلاج ؒ، شبلیؒ اور بایزید بسطامیؒ کا ذکر صوفیانہ ادب میں عام ملتا ہے۔ خاص طور پر منصور حلاجؒ کا ''انا الحق'' کہنا تو خاصا مشہور ہے۔

تاویلات اور اصطلاحات میں بظاہر ایک لفظ کے ایک خاص معنی مراد لیے جاتے ہیں لیکن ان دونوں میں ایک لطیف فرق بھی ہے' تاویلات میں ایک لفظ اپنے اصلی معنوں میں رہتا ہے لیکن اس لفظ سے کچھ اور معنی یعنی مجازی معنی بھی مراد لیے جاتے ہیں جبکہ اصطلاحات میں ایک لفظ اپنے اصلی معنی کی بجائے اپنے نئے وضع کردہ معنی میں عام طور پر استعمال کیا جاتا ہے' اس لیے کہ وہ کسی خاص معنی کے لیے ہی وضع کیا جاتا ہے۔

اعتبارات اور صوفیہ:

تاویلات واصطلاحات کے ساتھ صوفیہ کے ہاں اعتبارات بھی ہیں' اعتبار تصوف میں حقیقت کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے' اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب عارف کوئی قرآنی آیت' حدیث یا واقعہ سنتا ہے تو اس کا ذہن معرفت کے کسی نکتہ کی جانب منتقل ہو جاتا ہے' اس انتقال ذہنی کو اعتبار کہا جاتا ہے مثلاً ایک صوفی اگر یہ حدیث سنے کہ جس گھر میں کتا اور تصویر ہو وہاں رحمت کا فرشتہ نہیں آتا تو وہ کہے کہ سچ ہے جس خانۂ قلب میں حرص کا کتا اور ماسوا کی تصویر ہو یعنی ماسوا کی محبت بسی ہوئی ہو اس میں عشق حق نہیں سما سکتا۔ اس نوع کا انتقال ذہنی جائز سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح قصۂ بلقیس وسلیمان میں حضرت سلیمانؑ کو دل' بلقیس کو نفس' شہر سبا کو شہر جسم' ہدہد کو قوت متفکرہ اور اَلَّذِی عِندَہٗ عِلم" مِّنَ الکِتٰبِ (سورہ ۲۷' آیت ۴۰) کو عقل فعال اور عرش بلقیس یا تخت بلقیس کو انسانی طبیعت سے تشبیہ دی جائے تو اس قسم کے انتقال ذہنی کو اعتبارات کہا جاتا ہے۔ محی الدین ابن عربیؒ' عین القضاۃ ھمدانیؒ' سعد الدین حمویہؒ عزیز الدین نسفیؒ اور سہروردی مقتولؒ کے ہاں تاویلات واعتبارات عام ہیں۔۔۔۔۔ تاویل واعتبار کے حوالے سے ایک دانشور نے یوں کہا ہے کہ زوال پذیر قوموں کے لیے تاویل واعتبار اور کشف وکرامت کی روایت افیون کی چُسکی کی طرح ہوتی ہے جس میں ایک مردہ قوم (قرآن جسے قوم عمین یعنی اندھی قوم کہتا ہے۔۔۔۔ سورہ ۷' آیت ۶۴) ذہنی طور پر مگن رہتی ہے لیکن زندہ قوموں یا بیدار مغز اقوام کے افعال واقوال

اتنے واضح، اتنے روشن، اتنے اچھے، اتنے سچے، اتنے کھرے اور اتنے معتبر ہوتے ہیں کہ انہیں تاویل و اعتبار کی روایت اپنانے یا کشف و کرامت کا سہارا لینے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ کسی اہلِ دل نے کیا خوب کہا ہے کہ انسان کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ اُس کے افکار میں قرآن کا نور ہو اور اعمال میں سنت کا رنگ ہو۔

تصوراتِ نور و رنگ اور صوفیہ:

تصوف میں نور اور رنگ کے تصورات کی معنویت بہت سے پہلوؤں کے ساتھ موجود ہے۔ نور کا تصور اپنے ظاہری معنوں کے علاوہ استعاری صورت میں اسلام سے پہلے مذہب زرتشتی میں بھی تھا۔ نور و ظلمت کی آویزش مذہب زرتشتی کا بنیادی نقطہ ہے۔ نور کا منبع اہورامزدا ہے اور ظلمت کا نمائندہ اہرمن ہے۔ ان دونوں کی کشمکش ازل سے جاری ہے، یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ دین زرتشتی میں ظلمت (تاریکی) کا نمائندہ یعنی اہرمن ایک غالب قوت کی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے۔

قرآن پاک میں خداوند تعالیٰ نے لفظِ نور کی مختلف جہتوں کو بیان فرمایا ہے۔ جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ نور روشنی کے معنوں میں بھی قرآن پاک میں آیا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّور (سورہ ۶ آیت ۱)
هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَاءً وَّالْقَمَرَ نُورا (سورہ ۱۰ آیت ۵)

۲۔ نور سے مراد استعارتاً ذاتِ حق تعالیٰ یا وجودِ ذاتِ باری تعالیٰ بھی ہے جیسا

کہ فرمان حق تعالیٰ ہے: اللّٰہُ نُورُ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْض (سورہ۲۴، آیت۳۵)

۳۔　نور سے مراد کتابہای آسمانی اور قرآن پاک بھی ہے:

قُلْ مَنْ اَنزَلَ الْکِتَابَ الَّذِیْ جَاءَ بِهِ مُوسَی نُورا...... (سورہ۶، آیت۹۱)

وَاتَّبَعُواْ النُّور .... (سورہ۷، آیت۱۵۷)

وَآتَیْنَاهُ الإِنجِیْلَ فِیْهِ هُدًی وَنُور...... (سورہ۵، آیت۴۶)

۴۔　نور سے مراد ہدایت ہے جیسے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اللّهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ آمَنُواْ یُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّور ...... (سورہ۲، آیت۲۵۷)

۵۔　نور سے مراد رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ برحق بھی ہے:

یَا اَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ کُم بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّکُمْ وَاَنزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُورًا مُّبِیْنا (سورہ۴، آیت۱۷۴) یُرِیْدُونَ لِیُطْفِؤُوا نُورَ اللّٰه...... (سورہ۶۱، آیت۸)

۶۔　نور سے مراد بینائی اور بصارت بھی ہے:

وَمَا یَسْتَوِیْ الْاَعْمَی وَالْبَصِیْرُ　وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّور........ (سورہ۳۵، آیات۱۹، ۲۰)

۷۔　نور سے مراد ایمان واسلام بھی ہے:

اَفَمَن شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهُ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلَی نُورٍ مِّن رَّبِّه...... (سورہ۳۹، آیت۲۲) ۸ے

خواجہ عبداللہ انصاریؒ نے نور کی تشریح یوں فرمائی ہے کہ نور وہ ہے کہ جو غیر کو روشن کرے جیسے نورِ آفتاب و ماہتاب یا نور چراغ' لیکن آئینہ' پانی یا ایسی ہی شفاف اور روشن چیزوں کو نور نہیں کہتے' چونکہ یہ چیزیں غیر کو روشن نہیں کرتیں۔ شمس وقمر کا نور کسوف وخسوف سے مکدر ہو جاتا ہے جبکہ آفتاب معرفت اور نور توحید جو مومنوں کے دلوں سے نکلتا ہے اسے کبھی بھی کسوف وخسوف نہیں ہوتا۔ ان کی نظر میں باطنی نور کئی قسم کا ہے: پہلا نورِ اسلام ہے اور اسلام کا باطنی نور اخلاص ہے' دوسرا نورِ ایمان ہے اور ایمان کا باطنی نور صدق ہے' تیسرا نورِ احسان ہے اور احسان کا باطنی نور یقین ہے۔ اسلام کی روشنی نورِ اخلاص میں ہے اور ایمان کی روشنی نورِ صدق میں ہے اور احسان کی روشنی نورِ یقین میں ہے' یہ شریعت کے راستے کی منزلیں ہیں جو عام مومنین کے مقامات سے وابستہ ہیں لیکن اہلِ حقیقت اور مردانِ طریقت کے لیے نور دوسرے ہیں جو یہ ہیں:

پہلا نورِ فراست ہے اور اس نور کے ساتھ نورِ مکاشفت ہے' دوسرا نورِ استقامت ہے اور استقامت کے ساتھ نورِ مشاہدہ ہے' پھر نورِ توحید ہے اور توحید کے ساتھ نورِ قربت ہے' پھر حضورِ حق میں بندے کو مختلف انوار سے واسطہ پڑتا ہے' نورِ عظمت وجلال ہے' نور لطف و جمال ہے' نورِ ہیبت ہے' نورِ غیرت ہے' نورِ قربت ہے' نورِ الوھیت ہے اور آخر میں نورِ ھویت ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے نُورٌ عَلَى نُور (سورہ ۲۴ آیت ۳۵) فرمایا ہے' یہ انوار پورے طور پر کسی شخص کو حاصل نہیں ہو سکتے سوائے

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کہ ان کو تمام انوار حاصل تھے کہ وہ صاحب کمال تھے۔
خواجہ عبداللہ انصاریؒ نے نور کی تین قسمیں اور بھی بتائی ہیں کہ جب انسان کی شرح صدر ہوتی ہے تو پہلے اسے نورِ عقل حاصل ہوتا ہے' پھر نورِ علم اور آخر میں وہ نورِ عرفان حاصل کرتا ہے' اسی لیے حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اتقوا فراست المومن فانه ینظر بنور الله...... انسان نورِ عقل سے اپنی ذات کو جانتا ہے اور نورِ علم سے اپنے نفع و نقصان کو پہچانتا ہے اور نورِ عرفان سے اپنی فنا کو پاتا ہے یعنی نورِ عقل کے ذریعے شرک سے رہائی پاتا ہے اور نورِ عرفان سے اپنی ذات سے رہائی پاتا ہے____
حسین بن منصور حلاجؒ نے کہا تھا کہ انسان کے سر میں نورِ وحی ہے' آنکھوں میں نورِ مناجات' کانوں میں نورِ یقین' زبان میں نورِ بیان' سینے میں نورِ ایمان اور طبیعت میں نورِ تسبیح ہے۔ ۹ کے

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ مقتول نے بھی نور کے بارے میں اپنے تصورات پیش کیے ہیں۔ ان کی نظر میں جو چیز زندہ ہے بذاتِ خود وہ نورِ مجرد ہے اور ذاتِ حق نور الانوار ہے' وہی ذاتِ حق یا نور الانوار کائنات میں ہر چیز کو نورِ حیات عطا کرتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورہ ۲۴' آیت ۳۵)____ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ مقتول کی نظر میں پاکیزگی' نیکی درحقیقت نور ہے' گناہ اور برائی دراصل ظلمت و تاریکی ہے' ان کی نظر میں نفوس پر معرفت و حقیقت کے مختلف قسم کے انوار برستے ہیں' ایک نور بجلی کی طرح سالکین کے جسموں کو

روشن کرتا ہے جو آسمانی بجلی کی طرح ایک لمحہ کے لیے چمکتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے' دوسرا نور اہل معرفت کے دلوں پر وارد ہوتا ہے' اس کی کیفیت اور لذت یوں ہوتی ہے جیسے کوئی سر پر گرم پانی گرا رہا ہے' ایک نور اہلِ بصیرت کے دلوں پر وارد ہوتا ہے اور بہت دیر تک ثابت واستوار رہتا ہے۸۰ـــــ کسی صوفی کا قول ہے کہ نورِ جسمانی لباسِ تن ہے' نورِ قلبی لباسِ دل ہے' اس مقام پر سالک کو ذوالنورین کہتے ہیں۔۸۱

ان انوار کے علاوہ انوارِ جلالی ہیں جن کی خاصیت احراق (جلانا) ہے' اس کا پہلا ظہور لَا تُبْقِیْ وَلَا تَذَر (نہ باقی رکھتی ہے نہ چھوڑتی ہے ـــــ سورہ ۷۴' آیت ۲۸) کے طور پر ہوتا ہے' سات دوزخیں اسی نور کا پرتو ہیں' انوارِ جلالی سطوت وصولت وہیبت و عظمت والوہیت خداوندی اور اس کی قہاریت کو اور عدم وموت کو آشکار کرتے ہیں۔ دنیا میں ہر چیز اس کے انوارِ لطف یا انوارِ قہر سے وجود پاتی ہے۸۲

تصوف میں نور کے رنگ بھی ہیں جو قلب کے سات اطوار کے مطابق سات ہیں: پہلے نفسِ سالک جب لوامگی کے مقام پر ہوتا ہے تو نور کا رنگ نیلا ہوتا ہے' اسی رنگ کے مطابق صوفی یا سالک لباس پہنتا ہے' یعنی سالک نیلا لباس پہنتا ہے جسے لباسِ ازرق کہتے ہیں۔ آخری مقام ھیمان ہے' اس مقام پر سالک نورِ سیاہ یعنی نورِ ذات دیکھتا ہے' جب نفس امارگی کے مقام سے گزر کر عبادات وریاضات کے ذریعے لوامگی کے مقام کو قطع کر کے وادی نفس ملھمہ میں قدم رکھتا ہے تو مختلف رنگ کے انوار کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ پہلے مرتبے میں نور سفید رنگ کا نظر آتا ہے یہ علامت ہے اسلام کی'

دوم نور زرد نظر آتا ہے یہ علامت ہے ایمان کی' سوم نور کبود نظر آتا ہے یہ احسان کی علامت ہے' چوتھے نور سبز نظر آتا ہے یہ اطمینان کی علامت ہے' پنجم نور آبی ہے جو ایقان کی علامت ہے' چھٹا نور سرخ ہے' جو عرفان کی علامت ہے' ہفتم نورِ سیاہ ہے جو حیمان کی علامت ہے' یہی نورِ ذات ہے' نورِ سیاہ استعارہ ہے یا تو انسان کی جہالت کا کہ انسان ادراکِ ذاتِ حق میں جاہل ہے یا اس بات کا استعارہ ہے کہ آنکھ تجلیاتِ الٰہی کو دیکھ نہیں سکتی' خیرہ ہو جاتی ہے' گویا سیاہی خیرگی کا اشارہ ہے۔

عزیز الدین نسفیؒ کہتے ہیں کہ ''احدِ حقیقی ایک نور ہے جو لامحدود اور بے انتہا ہے جس کے تین پہلو ہیں: ذات' وجہ اور نفس جو بالترتیب صفات واسماء وافعال ہیں۔ اس نور کی صفات ذات کے مرتبے میں ہیں اور اسما مرتبہ وجہ میں ہیں اور افعال مرتبہ نفس میں ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اسی نور سے موجود ہے' انسانِ کامل کا مقصد یہ ہے کہ اس نور تک رسائی حاصل کرے' میرے استاد اور پیر (سعد الدین حمویہؒ) فرمایا کرتے تھے کہ میں اس نور تک پہنچ گیا ہوں اور میں نے اس نور کو دیکھا ہے' اس نور کی تجلیات میں اس طرح حیران ہوا کہ کھانا پینا سب چھٹ گیا۔ میں نے اپنے ایک دوست سے اس واقعہ کو بیان کیا اس نے کہا جاؤ اور کسی شخص کے کھلیان سے ایک مٹھی بھر بھس بغیر اجازت لے آؤ۔ میں نے ایسا ہی کیا اور پھر وہ نور غائب ہو گیا۔ میں نے اپنے پیر سے کہا یا شیخ کیا یہ نور چشمِ سَر (یعنی ظاہری آنکھوں) سے نہیں دیکھا جا سکتا' صرف چشمِ سِر (یعنی قلب کی آنکھوں) سے دیکھ سکتے ہیں؟ استاد نے کہا کہ دونوں

طرح دیکھا جا سکتا ہے' میں نے ان سے یہ عرض کیا کہ جو اس دریائے نور میں پہنچ جائے پھر وہ اپنے آپ کو بھول جاتا ہے؟ شیخ نے فرمایا مشاہدہ ہمیشہ نہیں ہوتا بلکہ معائنہ ہمیشہ ہوتا ہے' اس نور تک پہنچنے کے لیے بہت محنت اور ریاضت درکار ہے' اس کے بعد ترکِ ماسوئ کرنا چاہیے اور ہر قسم کے بتوں کو توڑ دینا چاہیے اور کسی مرشدِ کامل کی صحبت میں ریاضت اور مجاہدہ کرنا چاہیے تب کہیں یہ مقام حاصل ہوتا ہے۔'' بقول نسفیؒ "کوئی شخص ذات کے نور سے باخبر نہیں' صرف وجہ کے نور کو جانتا ہے کہ خدا کی ذات تک کسی شخص کی رسائی ممکن ہی نہیں۔۸۳

صوفیہ کے ہاں قلب کا نور زرد ہے' روح کا سرخ' سِر کا سفید' خفی کا سیاہ اور اخفا کا سبز۸۴ ــــــ حضرت مولانا رومؒ کا قول ہے کہ خواب میں سرخ رنگ کے کپڑے یا سرخ رنگ دیکھنا عیش و شادمانی کی علامت ہے اور سبز رنگ دیکھنا زہد کی علامت ہے اور سفید رنگ دیکھنا تقویٰ کی اور نیلا یا سیاہ رنگ دیکھنا ماتم یا غم کی نشانی ہے۔

رنگ کی اہمیت تصوف کے علاوہ معاشرتی بھی ہے' کہتے ہیں کہ سرخ رنگ کا پھول محبت کے جذبات کا ترجمان ہوتا ہے۔ نیلے رنگ کا پھول اس حقیقت کا اشارہ ہے کہ جب تک نیلا آسمان ہے محبت زندہ رہے گی۔ زرد پھول نفرت کا نمائندہ' سفید پھول پاکیزہ جذبات کا مظہر ہے اور نرگس کا پھول انتظار کی علامت ہے۔

قرآنِ پاک میں بھی مختلف رنگوں کا ذکر ہے:

صِبۡغَةَ اللّٰهِ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَة یعنی اللہ کا رنگ ہے (اُسے اختیار کرو) اور اللہ کے رنگ سے خوب تر کون سا رنگ ہے (سورہ۲' آیت ۱۳۸)۔

قرآن میں سفید' سیاہ' سرخ' زرد اور سبز رنگ وغیرہ کا ذکر ہے اور خاص طور پر ان آیات میں:

یَوۡمَ تَبۡیَضُّ وُجُوهٌ وَتَسۡوَدُّ وُجُوه یعنی اس دن جب چہرے سفید اور چہرے سیاہ ہو جائیں گے (سورہ۳' آیت ۱۰۶)

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ ثَمَرَاتٍ مُّخۡتَلِفاً اَلۡوَانُهَا وَمِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌ بِیۡضٌ وَحُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهَا وَغَرَابِیۡبُ سُود یعنی کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے آسمان سے پانی اُتارا اور اس کے ذریعے سے بہت سے رنگا رنگ میوے پیدا کیے اور بہت سے پہاڑوں کے بھی مختلف حصے ہیں' بعض سفید ہیں اور بعض سُرخ اور ان کی بھی رنگتیں مختلف ہیں کہ بعض بہت گہرے سیاہ ہیں۔ (سورہ۳۵' آیت ۲۷)

فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ خَضِراً یعنی ہم نے اُس سے سبزہ اگایا (سورہ۶' آیت ۹۹)

بَقَرَةٌ صَفۡرَاءُ فَاقِعٌ لَّوۡنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِیۡن یعنی وہ گائے ہے زرد رنگ کی جو دیکھنے والوں کو بھلی لگے (سورہ۲' آیت ۶۹)

تصوف میں شبِ روشن سے مراد نور سیاہ ہے جسے نورِ ذات بھی کہتے ہیں' روز تاریک سے مراد تجلیاتِ اسمائی' صفاتی اور افعالی ہیں جو بظاہر روشن ہیں لیکن حجابِ ذات ہیں۔ ۸۵

کہتے ہیں کہ حضرت رابعہ بصریؒ نے ایک بار کسی شخص کو چار درہم دیے کہ میرے لیے ایک کمبل خرید لاؤ۔ وہ آدمی چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد واپس لوٹا اور پوچھا محترمہ میں کمبل کس رنگ کا خرید کر لاؤں' رابعہ بصریؒ نے کہا اب رنگ کی بات درمیان میں آ گئی ہے تو یہ رقم مجھے واپس دیدو۔ وہ رقم اس شخص سے لی اور دریائے دجلہ میں پھینک دی ۸۶؎ ___ مناقب العارفین میں ہے کہ حضرت مولانا رومؒ سے کسی نے سوال کیا کہ مزارات پر چراغ جلانے سے کیا فائدہ؟ آپ نے فرمایا کہ ایک روز رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ مسجد میں چراغ اور قندیلیں روشن ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ یہ چراغاں کس نے کیا؟ حضرت عمرؓ آداب بجالائے اور فرمایا کہ یہ چراغاں میں نے کیا ہے۔ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "نور اللہ قلبک و قبرک یا عمر کما نوّرت مسجدی" اے عمرؓ اللہ تعالیٰ تیرے قلب اور تیری قبر کو روشن کرے جس طرح تو نے میری مسجد کو روشن کیا۔ اس طرح مسجد میں چراغ جلانے کے بانی حضرت عمرؓ ہیں ___ کہتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت علیؓ کی تین عمدہ عادات تھیں:

(۱) جب کوئی مہمان آتا تو اس کی خدمت میں شہد پیش کرتے (۲) مسکینوں اور مستحقین کو کپڑے پہناتے (۳) مسجد میں چراغ بجھواتے'

لوگوں نے آپ سے ان تینوں عادات کے اسرار کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں مہمانوں کو خالص شہد اس لیے پیش کرتا ہوں کہ جب ان کا منہ

میٹھا ہوگا تو میرے لیے دعائے خیر کریں گے یوں شاید موت کی تلخی میرے لیے مٹھاس میں بدل جائے (۲) مسکینوں اور غربا کو لباس اس لیے پہنا تا ہوں تا کہ وہ دعا کریں اور میں قیامت کے دن کہ جب تمام مخلوقات ننگی اٹھائی جائیں گی تو میرے پاس لباس ہو اور میں لوگوں کے سامنے رسوا نہ ہوں (۳) مسجد میں چراغ اس لیے بھیجتا ہوں تا کہ حق تعالیٰ میری قبر کو پُر نور کر دے ۸۷؂ ایک صوفی صاف دل کا کیا خوب قول ہے کہ سب سے اچھا رنگ اللہ تعالیٰ جل علیٰ شانہٗ کا ہے اور تصوف درحقیقت انسان کا خود کو خدا کے رنگ میں رنگنے کا نام ہے' خدا کے رنگ میں رنگے جانے سے انسان کی زندگی نور میں ڈھل جاتی ہے' اس کی گفتار حق وصداقت کا معیار' اس کا کردار ہدایت و رحمت کا سرچشمہ اور اس کی شخصیت اہل جہان کے لیے روشنی کا مینار بن جاتی ہے اور اس کی دعا ہوتی ہے' اے اللہ ایسی دانائی دے کہ ہم راہ حق کو جان جائیں اور ایسی بینائی دے کہ راہ حق سے گمراہ نہ ہوں' ایسا دل دے کہ جس سے باطل کے سامنے ڈٹ جائیں اور حق کے لیے جان تک قربان کر دیں اور ایسی جان دے کہ جس سے اہل جہان کے کام سنواریں۔

حواشی

۱۔ غزالی ''احیاء العلوم ترجمہ اردو از ندیم الواجدی' دار الکتاب' دیوبند' ہند' سال ندارد۔ ص ص ۴۷ تا ۱۰۲' کشف المحجوب' باب علم' عین القضاۃ ہمدانی' تمہیدات ص ۱۰۹' سہروردی' ابونجیب: آداب المریدین ص ۸۶' مولانا محمد حنیف ندوی' افکار غزالی' ادارہ ثقافت اسلامیہ' کلب روڈ لاہور' ۱۹۸۱ء ص ص ۵۵۔۵۴

۲۔ علی ہجویری' کشف المحجوب' باب العلم

۳۔ علی ہجویری' کشف المحجوب' ص ص ۱ تا ۲۱

۴۔ غزالی' احیاء العلوم' ترجمہ اردو سید عابد حسین' ترقی اردو بیورو دہلی' ۱۹۸۴ء ص ص ۱۴۵۔۱۳۶' باب العلم ص ص ۱۰۰ و ۱۰۱ نیز غزالی کیمیائے سعادت' ص ص ۱۱۹۔۱۱۴

۵۔ دوبوئر' تاریخ فلسفۂ اسلام' نیز تاریخ فلسفہ در جہان اسلامی' ترجمہ عبدالحمد آیتی' ص ص ۶۹۰۔۶۷۶' عنصر المعالی کیکاؤس' قابوس نامہ بکوشش غلام حسین یوسفی' ص ص ۳۹۔۳۳

۶۔ انصاری' عبداللہ: منازل السائرین' بکوشش روان فرهادی' ص ص ۱۳۳۔۱۳۱

۷۔ جندی' موید الدین: نفحۃ الروح وتحفۃ الفتوح' تصحیح نجیب مایل ہروی' انتشارات مولیٰ' تہران ۱۳۶۲ء ص ص ۶۴۔۶۲

۸۔ سہروردی' ضیاء الدین ابونجیب: آداب المریدین' بکوشش مایل نجیب ھروی' ص ص ۸۷۔۸۰

۹۔ سعدی' کلیات' بکوشش فروغی' محمد علی:' ص ص ۱۹۱۔۱۷۴

۱۰۔ نجم الدین محمود' مناہج الطالبین' تصحیح نجیب مایل ھروی' ص ص ۳۱۰۔۳۰۹

۱۱۔ کاشانی' عز الدین: مصباح الھدایت' ص ص ۶۲۔۵۶

۱۲۔ ایضاً ص ص ۵۶ تا ۷۰

۱۳۔ محمد حسین خباز کشمیری' ھدایت الاعمیٰ' نسخۂ خطی مملوکہ شعبۂ فارسی' جی سی یونیورسٹی لاہور' باب العلم

۱۴۔ اردشیر العبادی' صوفی نامہ' ص ص ۱۶۰ تا ۱۶۸' خلیفہ عبدالحکیم' حکمت رومی' ص ۸۴' تذکرۃ الاولیا حصہ اول ۸۵

۱۵۔ صوفی نامہ۔ کتاب التعرف۔ عبداللہ انصاری منازل السائرین ص ۲۱۵ رومی فیہ مافیہ' ص ۴۷ نیز تذکرۃ الاولیا ص ص ۵۵' ۵۶' ۱۲۱' ۱۲۶' ۱۶۷

۱۶۔ العبادی' صوفی نامہ' ص ص ۱۶۶ تا ۱۶۸!

۱۷۔ رازی' نجم الدین: مرصاد العباد' ص ص ۶۴ تا ۶۸' نجم الدین محمود' مناہج الطالبین' ص ص ۲۲۹ تا ۲۳۶

۱۸۔ انصاری' عبداللہ: منازل السائرین' ص ص ۱۳۵ تا ۱۴۱ و مصباح الھدایت ۷۹

۱۹۔ اردشیر العبادی' صوفی نامہ' ص ص ۱۶۳ تا ۱۶۶

۲۰۔ اردشیر العبادی' مناقب الصوفیہ' ص ص ۸۹ تا ۱۹۱

۲۱۔ کاشفی' حسین واعظ: اخلاق محسنی' ص ص ۸۳ تا ۸۴' نیز کشف المحجوب' مرتبہ تسبیحی ص ۲۴۳' شمس الدین احمد افلاکی' مناقب

العارفین، اردشیر العبادی، مناقب الصوفیہ واسرار التوحید ص ۱۷ وتذکرۃ الاولیا حصہ دوم ص ص ۱۵۹، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۷۰ تا ۲۷۸) نیز اردشیر العبادی صوفی نامہ ص ص ۱۶۶۔۱۶۳

۲۲ بحوالہ گزیدہ دراخلاق وتصوف وسعدی کلیات ایضاً ص ۸۸۹، حنا الفاخوری، خلیل الجر، تاریخ فلسفہ در جہان اسلامی، ترجمہ عبدالحمد آیتی، ایران، تہران چاپ دوم، نیز دو بوئر تاریخ فلسفۂ اسلام، اسرار التوحید، ص ۳۱۵

۲۳ لاہجی، شیخ محمد: شرح گلشن راز بامقدمہ کیوان سمیعی تہران ۱۳۷۷، ص ۹۳

۲۴ محمد غزالی، احیاء العلوم، ترجمہ اردو ندیم الواجدی، دیو بند، ہند جلد اول، قسط اول، ص ۲۰۴

۲۵ افلاکی، مناقب العارفین، ص ۲۳۰

۲۶ غزالی، نصیحۃ الملوک وسنبھلی، محمد اسماعیل: مقامات تصوف، لاہور ۱۹۸۲، ص ۱۵۲

۲۷ سہروردی، شہاب الدین: عوارف المعارف، ص ۶۲۰

۲۸ تذکرۃ الاولیا، ص ص ۳۶ و ۱۲۷ واحمد جام نامقی، سراج السائرین، حاشیہ از علی فاضل، تہران ۱۳۶۸، ص ۲۵۰

۲۹ محمد غزالی، نصیحت الملوک

۳۰ نسفی، عزیز الدین: الانسان الکامل وکشف الحقائق ص ۶۲

۳۱ سہروردی، عوارف المعارف

۳۲ عطار، تذکرۃ الاولیا، حصہ دوم، شیخ بہائی کشکول ص ۱۹۳

۳۳ عطار، تذکرۃ الاولیا، حصہ اول ودوم، ذکر اویس قرنی وحضرت شبلیؒ

۳۴ عطار، الٰہی نامہ، وعین القضاۃ ہمدانی، تمہیدات ص ۳۴۹

۳۵ حنا الفاخوری، تاریخ فلسفۂ درجہان اسلامی، ترجمہ عبدالحمد آیتی تہران ۱۳۵۸، ص ۳۰۴، فیروز آبادی، مجد الدین: قاموس المحیط وقابوس الوسیط، تحت لفظ عشق، سجادی، ضیاء الدین: مقدمہ ای بر مبانی عرفان وتصوف، ص ۲۸۶

۳۶ فروغی، محمد علی: سیر حکمت دراروپا، جلد اول، ص ص ۱۔۳۱

۳۷ فروغی، محمد علی: سیر حکمت دراروپا، جلد اول، ص ۳۲

۳۸ جلال پوری، علی عباس: اقبال کا علم کلام، لاہور ۱۹۷۲، ص ۹۸

۳۹ جلال پوری، علی عباس: اقبال کا علم کلام، لاہور ۱۹۷۲ء، ص ۲۶، نیز سیر حکمت دراروپا، جلد اول ص ص ۹۱۔۹۲

۴۰ ذوقی، سید محمد: سردلبران، کراچی، ۱۳۸۸، ص ۳۱۸

۴۱ مانک پوری، حسام الدین: انیس العاشقین، دہلی ۱۳۱۰، ص ۲۰۔۲۱ و نیز لوئی ماسینون، مصائب حلاج، فارسی ترجمہ از دہشیری، سید ضیاء الدین: تہران، ایران، ۱۳۶۱ ھ ش ص ۱۸۹

۴۲ علی ہجویری، کشف المحجوب، ایضاً، ص ۲۵۰ وصوفی نامہ ایضاً ص ۱۳۱

۴۳ قشیری، رسالہ قشیریہ ص ۵۵۸، علی ہجویری، کشف المحجوب، مرتبہ تسبیحی ایضاً، ص ص ۴۴۳۔۴۵۰

۴۴ جلال الدین دوانی، اخلاق جلالی

۴۵ الخاقانی' نورالدین محمد قاضی: اخلاق جہانگیری' مقالہ اول نسخہ خطی مملوکہ شعبہ فارسی' جی سی یونیورسٹی لاہور۔
۴۶ بحوالہ مراۃ مثنوی ایضاً' ص ۲۷
۴۷ شیرازی' محمد معصوم: طرایق الحقایق جلد دوم' مرتبہ محجوب' محمد جعفر: تہران' ص ۵۶۱
۴۸ عطار' فریدالدین: تذکرۃ الاولیا' ایضاً' ص ۱۲۱' بدوی' عبدالرحمٰن: تاریخ تصوف اسلامی' ص ۲۴۳
۴۹ ایضاً' ص ۵۷
۵۰ کلاباذی' ابوبکر بن اسحاق: تعرف' ترجمہ اردو' پیر محمد حسن لاہور ۱۳۹۸ھ ص ۱۷
۵۱ سہروردی' شہاب الدین: عوارف المعارف ترجمہ اردو از شمس بریلوی' کراچی ۱۹۷۷' ص ۶۷۴' محمود تھانسیری' جلال الدین: ارشادالطالبین' نسخہ خطی' کتاب خانہ مجلس شوری ملی' ایران' شمارہ ۱۰۶۸۶' ص ص ۴۔۷
۵۲ احمد غزالی' سوانح' تصحیح نصر اللہ ۱۳۵۹' ص ۳۴
۵۳ ایضاً' ۷ تا ۴۰
۵۴ عین القضاۃ ہمدانی' تمہیدات' سال ندارد' ص ۹۷
۵۵ روز بہان شیرازی' عبہر العاشقین' بحوالہ اقلیم عشق' از میر احمد طباطبائی ۱۳۶۱' ص ۴۳
۵۶ عبداللہ محمد الیانجی ہمدانی' لوائح' مرتبہ ڈاکٹر رحیم منش' چاپ دوم سال ندارد ص ص ۱۹۔۷
۵۷ ایضاً' ص ص ۱۰۱۔۱۰۰
۵۸ سہروردی' شہاب الدین: مقتول چہار رسالہ شیخ' اردو ترجمہ' کمال محمد حبیب' ص ص ۴۵۔۴۶
۵۹ عراقی' فخرالدین: لمعات' مرتبہ محمد خواجوی' تہران ۱۳۶۳' ص ۱۰۵
۶۰ عطار: تذکرۃ الاولیا' حصہ دوم' ص ۱۴۱
۶۱ عطار' تذکرۃ الاولیا' ایضاً' ص ۱۷
۶۲ ایضاً' ص ۱۷
۶۳ تذکرۃ الاولیا' حصہ اول ص ۴۴ و حصہ دوم ذکر شبلی' رازی' شیخ نجم الدین ابوبکر عبداللہ بن محمد: رسالہ عشق وعقل
۶۴ عشرت حسین انور' اقبال کی مابعد الطبعیات' ترجمہ صدیقی' ڈاکٹر شمس الدین: اقبال اکادمی پاکستان' ۱۹۷۷' لاہور' ص ص ۱۵۔۵
۶۵ مثنوی معنوی مولوی
۶۶ افضل الدین کاشانی: جامع الحکمت ص ص ۵۹ شیخ ابوالفضل حسین ابن ابراہیم محمد تفلیسی' کامل التعبیر اردو ترجمہ بعنوان تعبیر الرویا' از ابوالقاسم دلاوری' نذیر سنز پبلی شرز' لاہور' سال اشاعت ندارد' ص ۳۹۶ نسفی' عزیز الدین: الانسان الکامل ایضاً ص ص ۲۴۰ تا ۲۴۶
۶۷ الافلاکی' شمس الدین احمد: مناقب العارفین جلد اول' ص ۳۵ نامقی' احمد جام: (ژندہ پیل) سراج السائرین با تصحیح ڈاکٹر علی فاضل' آستانہ قدس رضوی' مشہد ۱۳۶۸ھ ص ۲۲۸

۶۸۔ رازی، نجم الدین: الرصاد العباد، ص ص ۱۷۵۔۱۶۰

۶۹۔ نسفی، عزیز الدین: الانسان الکامل، ص ۳۰۸، ابوسعید ابوالخیر، اسرار التوحید، علی ہجویری "کشف المحجوب"، اشرف علی تھانوی، التکشف عن مہمات التصوف ص ص ۴۴۔۴۳، ختلی، ضیاء الدین: سلک السلوک، با مقدمہ غلام علی آریا، تہران ۱۳۹۹، ص ص ۱۹ تا ۲۰

۷۰۔ تھانوی، اشرف علی: التکشف عن مہمات التصوف، ص ص ۴۵۔۴۳، عطار، تذکرۃ الاولیا

۷۱۔ قاسم غنی، تاریخ تصوف در اسلام، ص ص ۲۶۴۔۲۶۱

۷۲۔ ندوی، عبدالسلام: حکمائے اسلام حصہ دوم، نیشنل بک فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۹، ص ۶۸، فروغی، سیر حکمت در اروپا، جلد اول، ص ص ۹۸۔۳۷، حنا الفاخوری، تاریخ فلسفہ در جہان اسلامی ص ص ۷۲۔۷۱

۷۳۔ ندوی، عبدالسلام: حکمائے اسلام، ایضاً حصہ دوم ص ص ۲۰۲۔۱۹۸، سہروردی، ضیاء الدین ابونجیب: آداب المریدین، ترجمان عمر بن محمد بن احمد شیرکان، تصحیح مایل ہروی، مشہد ۱۳۶۲، ص ۴۹

۷۴۔ عین القضاۃ ہمدانی، تمہیدات ص ص ۳۰۴۔۲۸۸

۷۵۔ حمویہ، سعد الدین: المصباح فی التصوف، ص ۸۷

۷۶۔ نسفی، عزیز الدین: الانسان الکامل، ص ص ۶۷۔۶۴

۷۷۔ ابوسعید ابوالخیر: اسرار التوحید، ص ص ۲۹۸، ۲۷۷، ۲۷۶

۷۸۔ سجادی، سید جعفر: شہاب الدین در فلسفۂ اشراق، انتشارات فلسفہ تہران ۱۳۶۳، ص ص ۶۲۔۵۲ ش

۷۹۔ ایضاً ص ص ۶۴۔۶۲

۸۰۔ ایضاً ص ۷۵

۸۱۔ عین القضاۃ ہمدانی، تمہیدات ص ص ۳۲۶۔۳۲۲

۸۲۔ رازی، نجم الدین: مرصاد العباد، ص ص ۱۶۹۔۱۶۸

۸۳۔ افلاکی، مناقب العارفین ج اول، نسفی، عزیز الدین: الانسان الکامل، ص ص ۲۹۸۔۲۹۰

۸۴۔ فاروقی، ابوسعید: ہدایت الطالبین، ص ۲۵

۸۵۔ لاہیجی، شیخ محمد: شرح گلشن راز، تصحیح کیوان سمیعی، ص ۱۰۱

۸۶۔ عطار، تذکرۃ الاولیا، حصہ اول ص ۷۲

۸۷۔ افلاکی، مناقب العارفین ج اول ص ص ۲۵۰۔۲۴۹، خواجہ عبداللہ انصاری، مناجات نامہ، چاپ تہران، ص ص ۱۶۔۸

اشاریۂ متن

اسماء، اماکن وکتب

ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی کی دیگر تالیفات

- تصوف اور تصوراتِ صوفیہ
(تصوف کے مطالب اور اصطلاحاتِ تصوف پر بحث)
- گنجینۂ معانی
(فارسی زبان میں اخلاقی مطالب پر بحث)
- اخلاقیات ایرانی ادبیات میں
- فارسی غزل اور اس کا ارتقاء
- آفاقِ افکار
(فارسی ادبیات میں عقل و عشق کے مطالب پر بحث)
- حکمتِ حکومت
(فارسی ادبیات میں سیاسی مطالب پر بحث)
- راویِ ادبیات (فارسی)
- مطالعاتِ ادبیاتِ فارسی
(مقالات کا مجموعہ)
- تنقید و تحقیقِ ادبیات
- عکسِ جاوید
(جاوید نامہ کا منظوم اردو ترجمہ مع مقدمہ)
- دلھا یکی است
(جدید اردو شعرا کا فارسی زبان میں تعارف اور اُن کا منتخب کلام مع منظوم فارسی ترجمہ)
- بوی خوش آشنایی
(فارسی شعری مجموعہ)
- دلِ بیدل
(بیدل کے منتخب کلام کا اردو منظوم ترجمہ اور بیدل کے افکار پر بحث)
- پہچان
(اُردو شعری مجموعہ)
- بوے دوست
(جدید شعراے فارسی کا تعارف اور ان کا منتخب کلام مع اردو منظوم ترجمہ)
- مجلسِ مشاورتِ ابلیس
(علامہ اقبال کی نظم ابلیس کی مجلسِ شوریٰ کا منظوم ترجمہ)
- آگہی کی جستجو میں
- مجلس میں دیوانوں کی
- شعرِ جدیدِ ایران
(ایران کے جدید شعرا کا تعارف اور اُن کا منتخب کلام مع اُردو منظوم ترجمہ)
- تصوف ہر انسان کی ضرورت
- سماع و موسیقی تصوف میں
- اللہ، انسان اور ابلیس صوفیہ کی نظر میں
- خانقاہ نشینی و خرقہ پوشی صوفیہ
- علم و عشق، خواب و کشف و کرامت صوفیہ کی نظر میں
- دریچے دل کے
(شعری مجموعہ)
- جنگل میں منگل

خواب، کشف، کرامت
صوفیہ کی نظر میں
پروفیسر ڈاکٹر ظہیر احمد صدیقی